بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فن تاریخ گوئی

کا

تنقیدی جائزہ

از

ساحر لکھنوی

(سید قائم مہدی)

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.
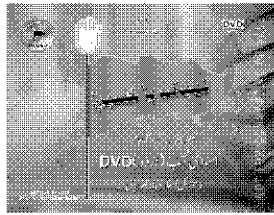
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کوائف کتاب

نام کتاب	:	فن تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ
مولف	:	ساحر لکھنوی (سید قائم مہدی) دانش منزل، اے ۔ ۴۴، بلاک نمبر ۱۳ گلشن اقبال، کراچی ۷۵۳۰۰ فون: ۴۶۷۱۹۵، ۴۹۷۷۷۲۶
کمپوزنگ	:	جادداں لیزر کمپوزرز ۲۸ ۔ ایچ، رضویہ سوسائٹی، کراچی
ناشر	:	آثار و افکار اکادمی (پاکستان) باشتراک ادارۂ "طلوع افکار"، کراچی
طابع	:	کمیونیکیٹرز
سرورق	:	شکیل آغا
سن اشاعت	:	۱۴۲۰ھ ۔ ۱۹۹۹ء
قیمت	.	۱۵۰ روپے
ملنے کا پتہ	:	ویلکم بک پورٹ اردو بازار، ایم ۔ اے جناح روڈ، کراچی طلوعِ افکار ۲۸ ۔ ایچ، رضویہ سوسائٹی، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰ آثار و افکار اکادمی دانش منزل، اے ۔ ۴۴، بلاک ۱۳، گلشن اقبال، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

○ والد مرحوم جنت مکاں نواب سید اختر حسین صاحب مصور لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کے نام جو استاذالاساتذہ نواب مولوی سید اصغر حسین صاحب فاخر لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کے پوتے اور نواب سید انور حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کے سب سے بڑے بیٹے اور ان کے شرعی و قانونی جانشین و وارث تھے۔ آج بھی سارا لکھنؤ ان کی شرافت اور حسن اخلاق کا مداح ہے اور ان کے حوالے سے اس حقیر فقیر ساحر لکھنوی کو بھی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

○ شاعر آل محمدؐ حضرت نسیم امروہوی اعلی اللہ مقامہ کے نام جن سے مجھ کو مشورۂ سخن کا شرف حاصل رہا۔ وہ نہ صرف اپنے وقت کے نامور مرثیہ گو تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کے تاریخ گو شاعر بھی تھے۔ افسوس ہے کہ ان کی کہی ہوئی تاریخوں کا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہو سکا۔

○ حضرت ظفر جون پوری مدظلہ کے نام جنھوں نے میرے شوق سخن کو پروان چڑھانے اور مدح و منقبت کی محفلوں میں مجھے میری حیثیت سے بڑھ کر مقام عطا کرنے میں ہمیشہ سعی بلیغ کی۔ ان کی محبت میرے لیے قابل فخر ہے۔

○ حضرت حسین انجم مدیر مسئول ماہ نامہ طلوع افکار، کراچی کے نام جن کی محبت لفظ و بیان کی محتاج نہیں۔ ادب دوستی اور ادب نوازی کے حوالہ سے وہ ساری دنیا کے ادبی حلقوں میں معروف و مقبول ہیں۔

○ انجینئر نجیب حسین صاحب کے نام جو ۲۴ فروری ۱۹۹۹ء میں ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وہ شعر و ادب کے محققین میں بھی شامل تھے۔ اس کتاب کی تکمیل کے سلسلہ میں انھوں نے کئی کتابیں اور تاریخی مادّے مہیا کر کے میری بڑی مدد کی۔ خداوند تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اکادمی کا قیام ساحر صاحب کے ذاتی اغراض و مقاصد پورے کرنے کے لیے نہیں بلکہ ملت کے اہل علم و اہل قلم حضرات کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے عمل میں آیا ہے ۔

ہمیں امید ہے کہ اگر اکادمی کو ملت کا تعاون دامے ، درمے ، قدمے و سخنے حاصل رہا تو انشاء اللہ اس کے سارے پروگرام بحسن وخوبی تکمیل پاتے رہیں گے ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

انتظامیہ

آثار وافکار اکادمی (پاکستان) ، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب کتاب

باب دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پیش گفت

غزل ، قصیدہ ، مرثیہ اور مثنوی وغیرہ کی طرح تاریخ گوئی بھی ایک مستقل مگر بہت اہم صنف سخن ہے ۔ یہ صرف قوت فکر اور کمال فن دکھانے کی چیز ہی نہیں ، بہت مفید بھی ہے ۔ اس کے ذریعے سے مختلف واقعات کے وقوعہ کی تاریخیں محفوظ کرلی جاتی ہیں جو بعد میں تحقیق کی بنیاد بنتی ہیں ۔

تاریخ گوئی ایک بہت مشکل صنف سخن ہے ۔ یہ نہایت صبر آزما ، بے حد محنت طلب اور عرق ریزی کا کام ہے ۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ وادی پرخار میں ننگے پاؤں چلنے اور پہاڑی چٹانوں کو کاٹ کے ہیرے تلاش کرنے کے مترادف ہے ۔

یہ ایک قدیم فن ہے ۔ صدر اسلام میں عربوں میں اس کا وجود اس روایت سے ظاہر ہے کہ جب کچھ یہود حضور سرور کائنات رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ، تو آپؐ نے دوران گفتگو سورۃ بقرہ کی تلاوت کا آغاز فرمایا ۔ جب یہود نے الم (الف لام میم) کے حروف مقطعات کی تلاوت سنی تو قاعدہ جمل سے حساب لگا کر اس نتیجے پر پہنچے کہ الم کے اعداد کے مطابق اسلام دنیا میں صرف اکہتر برس تک باقی رہے گا ۔ لہذا ایسا دین اختیار کرنا بے کار ہے جس کی عمر اتنی مختصر ہو ، مگر جب حضورؐ نے دوسرے حروف مقطعات کی تلاوت فرمائی تو وہ حیران رہ گئے اور اپنی فکر کی غلطی کا احساس کیا ۔

عربوں نے تو تاریخ گوئی میں کچھ زیادہ کمالات نہیں دکھائے ، مگر ایران میں اس فن نے ترقی کی بڑی منزلیں طے کیں ۔ فارسی شعرا نے اس میں طرح طرح کی صنعتیں پیدا کر کے اس کو انسانی ذہن کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا آئینہ دار بنا دیا اور

فکری و فنی کمالات کے بام عروج پر پہنچا دیا۔ بیش تر اصنافِ سخن کی طرح اردو شاعری نے اس فن میں بھی فارسی سے اکتسابِ فیض کیا اور اردو کے شعرائے متقدمین و متاخرین نے اپنے علم و فن اور فطری تخلیقی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اس کو نہ صرف فارسی کے دوش بدوش کھڑا کر دیا بلکہ اس میں نئے نئے گوشے پیدا کر کے اور صنعتوں میں اضافے کر کے اس کو اور بھی ترقی دی اور اپنی قوتِ تخلیق اور ندرتِ فکر کا لوہا منوا لیا۔

رفتہ رفتہ زبان و ادب میں انحطاط کے نتیجے میں اس فن کی طرف شعرا کی توجہ کم ہونا شروع ہو گئی اس لیے کہ یہ فن ایک خاص علمی، فکری اور فنی استعداد کا متقاضی ہے اور بقول ڈاکٹر منشأ الرحمان خان منشاء، مہاراشٹر اردو اکادمی ناگ پور:
"وہی صاحبِ علم و آگہی پوری طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو زبان و بیان پر کامل عبور رکھتا ہو اور الفاظ کی تراش خراش، نزاکتوں، باریکیوں اور تہ داریوں سے بخوبی واقف ہو" (صابر براری کی تخلیقات۔ ص ۹۵)۔

جناب ڈاکٹر مولانا سید شبیہ الحسن صاحب نونہروی مرحوم، سابق صدرِ شعبہ اردو، لکھنؤ یونی ورسٹی نے بھی تقریباً اسی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "تاریخ گوئی کا شمار صنائع و بدائع کے انتہائی مشکل اصناف میں ہوتا ہے۔ اس کا کامیاب طور پر سرانجام دینا صرف انھیں شعرا کا کارنامہ رہا ہے جو شاعری کے فطری ملکہ کے ساتھ سبقت کرنے والا ذہن اور ریاضت کی خوگر طبیعت بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے اردو ادب کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو باکمال شعرا کی اکثریت کے باوجود تاریخ گوئی میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے شعرا کی تعداد نسبتاً بہت کم نکلے گی"۔
>
> (مجمع التواریخ از حضرت فضل نقوی لکھنوی)

مگر اس حقیقت کے باوجود کہ یہ دور علم و ادب اور فکر و فن کے زوال کا دور ہے اور

فن تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ	۱۱	ساحر لکھنوی

بہت سی اصنافِ سخن یا تو بالکل ختم ہو چکی ہیں یا بہت کم شعرا کی توجہ کا مرکز ہیں۔ تاریخ گوئی کا فن تمام اصناف میں سب سے زیادہ مشکل اور محنت طلب ہونے کے باوجود باقی ہے اور برصغیر میں سیکڑوں شعرا اب بھی اپنے خونِ جگر سے اس چمن کی شادابی کے لیے کوشاں ہیں۔ صرف پاکستان ہی میں معروف و غیر معروف موجودہ و سابق تاریخ گو شعرا کی تعداد سو ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوگی۔

بعض لوگوں نے تاریخ گوئی پر بھرپور توجہ دی ہے اور اپنی پوری زندگی اس فن کی آبیاری میں گزار دی ہے اور بڑی تعداد میں تاریخیں کہی ہیں۔ ان میں سے ایک جناب صابر براری ہیں جن کی ایک سو چونتیس تاریخوں کا مجموعہ "تاریخِ رفتگاں" کے نام سے کئی برس پہلے شائع ہو چکا ہے اور اب اس کا دوسرا حصہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ ان کے علاوہ جناب صفدر حسین آصف الجعفری، جناب اعجاز جو ھپوری اور کئی اور حضرات بھی شامل ہیں۔ جناب نیساں اکبرآبادی نے بھی اس فن کی بڑی خدمت کی ہے مگر ان کے مجموعۂ تواریخ "درج تاریخ" میں ان کا یہ دعویٰ محتاجِ دلیل ہے کہ تاریخ گوئی میں ان سے زیادہ کام کسی نے نہیں کیا ہے۔ راقم الحروف کو نہ تو کوئی دعویٰ ہے نہ اپنے متعلق کوئی خوش فہمی۔ صرف اظہارِ حقیقت کے طور پر یہ تحریر کر رہا ہوں کہ اب تک کوئی ڈیڑھ سو سے زائد تاریخیں کہہ چکا ہوں اور ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہوں کہ تاریخی مادے اساتذہ کے مقرر کیے ہوئے معیار پر پورے اتریں بہت سے تاریخ گو شعرا نے تاریخ گوئی میں بہت کام کیا ہے اور بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ جناب نیساں اکبرآبادی سمیت جتنے حضرات نے بھی اس فن کی خدمت میں اپنی عمریں گزار دی ہیں، وہ سب قابلِ ستائش ہیں اور اس فن کی تاریخ میں ان کے نام ہمیشہ باقی رہیں گے۔

تاریخ گوئی کا فن نظم ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اس لیے ہر تاریخ گو کا شاعر ہونا ضروری نہیں کیونکہ تاریخیں ایک لفظ یا نثر کے ایک فقرے سے بھی نکالی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح ہر شاعر کے لیے تاریخ گو ہونا ضروری نہیں، اس لیے کہ ایک

خاص فطری رجحان طبع کے ساتھ ساتھ۔ اس فن کے اصول و قواعد سے کما حقہٗ آگہی، شعر گوئی کی صلاحیت، فنی مہارت، زبان و بیان پر عبور اور مسلسل مشق کے بغیر کوئی شاعر تاریخ گو خصوصاً ایک اچھا تاریخ گو نہیں بن سکتا۔

اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہوسکتا ہے کہ اصول و قواعد کے علم اور ان پر مکمل عبور کے بغیر کسی فن کو کامیابی کے ساتھ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی صورتِ حال تاریخ گوئی کی بھی ہے ۔ یہ تو درست ہے کہ اس زمانے میں بھی خاصی بڑی تعداد میں شعرا اس فن میں عملی دلچسپی لیتے ہیں اور تاریخیں کہتے ہیں، مگر یہ مشاہدہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر کہنہ مشق تاریخ گو شعرا بھی تاریخ نکالنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اس کا سبب یا تو اس فن کے اصول و قواعد اور رموز و اسرار سے آگہی میں کمی ہے جو عموماً مبتدی شعرا کی غلطیوں کا باعث ہوتی ہے یا پھر اس فن کے بعض اصولوں کے بارے میں اساتذۂ متقدمین و متاخرین میں اختلافِ رائے اس کا سبب ہے جس کی بنا پر کوئی تاریخ گو کسی استاد فن کی پیروی کرتا ہے کوئی کسی کی اور قاری و محقق کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ کسی مادہ سے تاریخ کا صحیح پتہ چلا سکے لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جو اصول متاخرین کے نزدیک متفق علیہ ہیں یا جن متنازعہ اصولوں کے بارے میں اساتذۂ متوسطین و متاخرین میں اتفاقِ رائے ہوچکا تھا ان میں بھی زمانہ حال کے وہ شعرا غلطیاں کرتے ہیں یا شک و ابہام میں مبتلا ہیں جن کا بہرحال اپنی اپنی جگہ شاعری میں ایک مقام ہے اور تاریخ گوئی میں بھی شہرت رکھتے ہیں۔ بظاہر اس کی وجہ ذوقِ تحقیق میں کمی یا اس کا فقدان ہے ۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ہر شخص سے تحقیق و جستجو کی توقع نہیں کی جاسکتی اور ہر ایک کے لیے اس وادی پرخار میں قدم رکھنا آسان بھی نہیں ہے۔

میری اس تالیف کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ میں تاریخ گوئی کے اصول و قواعد، رموز و نکات اور حسن و قبح پر مفصل بحث کے ساتھ اختلافی مسائل پر اساتذۂ فن کے اقوال کے تقابلی مطالعے اور تنقیدی جائزے کے بعد محاکمہ کر کے ان کے

بارے میں حتمی نتائج پیش کردوں ۔ اس طرح اختلافی مسائل کو بھی حل کر دیا جائے اور بعض شعرائے کرام کے ذہنوں میں جن مسئلوں کے بارے میں شک و ابہام یا بے یقینی ہے ، اس کو بھی دور کر دیا جائے ۔ میری کوشش ہوگی کہ اس فن سے متعلق کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے تاکہ کم از کم مبتدی تاریخ گو حضرات کو اس فن کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کتاب کے مطالعے کے بعد کسی اور کتاب کے مطالعے کی ضرورت نہ رہے اور وہ کہنہ مشق شعرا بھی میری تحقیق و تنقید کی اس محنت کے ثمرات سے لطف اندوز ہو سکیں جو تاریخ گوئی کے بعض مسائل کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں یا لاعلمی یا سنی سنائی باتوں یا بعض غلط گو پیش رو شعرا کا اتباع کر کے تاریخ کہنے میں غلطیاں کرتے ہیں ۔

یوں تو اس فن پر اساتذۂ متقدمین و متاخرین نے متعدد کتابیں لکھی ہیں ۔ مثلاً حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی کی افادۂ تاریخ ، حکیم میر مہدی حسین الم کی گلبن تاریخ ، منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی کی ملخص تاریخ ، جس کا اردو ترجمہ ملہم تاریخ کے نام سے اقتدار احمد ساحر نے کیا ، نیز عبدالعزیز نواب عزیز جنگ ولا کی غرائب الجمل میر نادر علی رعد کی گنجینۂ تاریخ ، منشی حسین علی فرحت دہلوی کی ام التواریخ اور موجد التواریخ ، مہدی علی خاں ممتاز کی تاریخ لطیف ، حاجی محمد عبدالقادر کی رہ نمائے تاریخ اردو ، سید ابرار حسین ہاشمی کی تاریخ الاسماء ، حافظ فیروزالدین ککئے زئی کی تاریخی خزانہ الٰہی بخش شائق کی آئینۂ تواریخ ، میر محمد حسین حیدرآبادی کی مساوی الاعداد ، سید محمد علی جویا مرادآبادی کی سرودِ غیبی ، سید دلدار حسین اطہر الہ آبادی کی جامع التواریخ اور رسالہ مخزن التواریخ ، اسد اللہ حسینی کی تاریخوں کے پھول اور حضرت جلال لکھنوی کے فرزند حکیم سید محمد مہدی کمال لکھنوی کی تاریخ مہین وغیرہ شامل ہیں ۔ ان سب کا ذکر جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب "فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت" میں ہر کتاب کے مختصر تعارف کے ساتھ کیا ہے ۔ علاوہ ازیں غلام علی آزاد کی "خزانہ عامرہ" اور بابو رام پرشاد ظاہر کی "کانِ تاریخ" بھی بہت اہم ہیں ۔ مزید

برآں کچھ اور بھی کتابیں ہیں جن میں ایک "ملک التواریخ" ہے جو کاٹن پریس، اٹیہ سے ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے مصنف جناب سید سجاد حسین ترمذی تائب ہیں۔ آٹھ صفحوں کی یہ مختصر سی کتاب اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ مصنف نے اس میں مرسلِ اعظم رسول اسلامؐ اور ان کے اہلبیتؑ اور ائمہ اطہارؑ کی ولادت و وفات کی تاریخیں اردو اور فارسی میں نظم کر کے سلسلے وار ترتیب دی ہیں اور تاریخ گوئی میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ البتہ اس میں اصولِ تاریخ گوئی پر کوئی بحث شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ماضی قریب یا زمانہ حال میں اور بھی کچھ کتابیں اس موضوع پر شائع ہوئی ہیں جن میں خان بہادر سید مسعود حسن مسعود کی "عندلیب تواریخ" ۱۹۶۳ء میں الہ آباد (یو۔پی) انڈیا سے اور جناب شرافت نوشاہی کی "اعجاز التواریخ" ۱۹۷۶ء میں گجرات سے شائع ہوئی۔ زمانہ حال میں کئی اور کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں کیپٹن منظور حسین کی کتاب "فنِ تاریخ گوئی" ۱۹۷۲ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ جناب اعجاز جودھ پوری کی کتاب "تاریخ نوشتہ" بھی ۱۹۷۲ء میں میرپور خاص، سندھ سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب "فنِ تاریخ گوئی اور اس کی روایت" ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی جو ان کے ایک مضمون مطبوعہ "نگار" کراچی کی کتابی شکل ہے اس کے بعد جناب شوکت الہ آبادی کی کتاب "معاون تواریخ" ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آئی۔ پھر جناب کسریٰ منہاس کی "فنِ تاریخ گوئی"، ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ لکھنؤ سے استادِ محترم جناب فضل نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ کی "مجمع التواریخ" شائع ہوئی جو ایک اہم مجموعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ قطعاتِ تاریخ کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً جناب صفدر حسین آصف الجعفری کی "افکارِ آصفیہ" جناب صابر براری کی "تاریخِ رفتگاں" اور حال ہی میں شائع ہونے والی جناب نیساں اکبر آبادی کی "درجِ تاریخ" اور چند دوسرے مجموعے بھی شامل ہیں۔

جناب نیساں نے "درج تاریخ" میں اختصار کے ساتھ تاریخ گوئی کے اصولوں پر بھی گفتگو کی ہے مگر بحث و دلائل کے بغیر بعض اساتذۂ قدیم کے اقوال

بغیر حوالوں کے درج کر دیے ہیں جن میں بعض محلِ نظر ہیں اور ان کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ میں نے ایسے اصولوں اور نظریوں پر اس کتاب میں تفصیل سے بحث کی ہے تاکہ ان کے بارے میں شکوک و شبہات دور کیے جاسکیں ۔

اساتذۂ متقدمین و متاخرین کی کتابیں عموماً دستیاب نہیں ہیں ، البتہ بڑے بڑے کتب خانوں اور بعض صاحبانِ علم کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں بعض کتابیں موجود ہیں مگر ان تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہے ۔ زمانہ حال میں پاکستان میں شائع ہونے والی مندرجۂ بالا کتابیں عموماً بازار میں دستیاب ہیں مگر کتب بینی کے شوق کے فقدان کی وجہ سے عموماً وہ لوگ بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جن کے لیے تاریخ گوئی کے شوق کی بنا پر ان کا مطالعہ ضروری ہے ۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں تاریخ گوئی کے فن پر اکثر ایسے پیچیدہ اور مشکل انداز میں بحثیں کی گئی ہیں کہ عام قاری کے لیے ان کا سمجھنا مشکل ہے ۔ خصوصاً آج کا عام قاری تو شاید بالکل ہی نہیں سمجھ سکتا ۔ اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ میں اس فن کے رموز و نکات پر سادہ اور آسان زبان میں گفتگو کروں تاکہ سب کے لیے قابلِ فہم ہو ، مگر فنی بحثوں میں جہاں جہاں اساتذۂ قدیم کے اقوال اور ان کی کتابوں سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں وہ تو ظاہر ہے کہ وہی ہیں جو انھوں نے لکھے ہیں اور ان کے پڑھنے اور سمجھنے میں قارئین کو الجھن محسوس ہو سکتی ہے مگر میں نے بحث کو سمیٹ کر اس کا نتیجہ نکالنے اور اس کا لبِ لباب پیش کرنے کے لیے عام فہم اندازِ تحریر اختیار کیا ہے جس سے انشاء اللہ سارے اصول اور ساری باتیں آسانی سے سمجھ میں آجائیں گی ۔

یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے ۔ پہلا باب فنِ تاریخ گوئی کے اصول و قواعد پر بحث ، تنقیدی جائزے اور محاکمے پر مشتمل ہے ۔ دوسرے باب میں تعمیہ، تدخلہ اور تعمیہ، تخرجہ کے مختلف طریقے بیان کیے گئے ہیں ۔ ایک باب کے لئے میں نے اسلامی اور برِصغیر کے اہم تاریخی واقعات ، متعدد علما ، صوفیا ، شعرا ، ادبا ، دانشور ،

سیاست دانوں اور امراء و سلاطین کی وفات، متعدد کتابوں کی اشاعت اور عمارات کی تعمیر وغیرہ کے متعلق سیکڑوں تاریخی مادے انتہائی محنت سے تحقیق و جستجو کر کے جمع کیے تھے۔ ان کو کتاب میں شامل کرنے سے کتاب کا حجم بہت زیادہ بڑھا جارہا تھا۔ اس لیے بادلِ ناخواستہ ان کو ترک کرنا پڑا جن سے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت میں یقینی طور پر اضافہ ہوجاتا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کتاب کے آخر میں ایک باب اپنے کہے ہوئے قطعاتِ تاریخ پر مشتمل بھی شامل کردوں، مگر کتاب کی ضخامت کو مناسب حد میں رکھنے کی غرض سے میں نے یہ ارادہ بھی ترک کردیا۔ کبھی ممکن ہوا تو انشاءاللہ ان قطعات کا ایک مجموعہ علیحدہ شائع کردیا جائے گا۔

اس کے بعد یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ میں نے اس کتاب میں فنِ تاریخ گوئی پر بحث کے ذیل میں جن گذشتہ یا موجودہ شعرائے کرام کی کہی ہوئی تاریخوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور ان میں غلطیوں یا اسقام کی نشاندہی کی ہے، ان سے کسی کے شاعرانہ مرتبے کو گھٹانا یا ان پر نکتہ چینی کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ یہ سب حضرات اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے وقت کے نہایت محترم اور معتبر شعرا میں شمار ہوتے ہیں اور میرے لیے بھی قابلِ احترام ہیں۔ شعر و ادب کے تنقیدی مطالعے میں کلام کے محاسن و معائب کا جائزہ لینا معیوب نہیں۔ غلطیاں سب سے ہوتی ہیں مجھ سے بھی ہوتی ہیں اور میں کیا غالب و انیس و دبیر جیسے عظیم شعرا بھی تنقید سے نہیں بچے، مگر اس سے نہ ان کی شاعرانہ عظمت پر کوئی حرف آیا نہ ان کے کمال کو زوال ہوا۔ تنقیدی مطالعوں میں بات صرف نیک نیتی کی ہوتی ہے جو بحمد اللہ میری اس تحریر کے ایک ایک حرف میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ میں یہ وضاحت بھی کر چکا ہوں کہ بعض حضرات کے یہاں تاریخ گوئی میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں، وہ کچھ تو اساتذہ کے درمیان بعض مسائل پر اختلافِ رائے کی بنا پر ہیں اور کچھ کم معتبر شعرائے سلف کی پیروی کی وجہ سے ہیں اور اس کا سبب تحقیق کی کمی ہے۔ بہرحال ان غلطیوں کے لیے ان شعرائے کرام پر ذاتی طور پر کوئی الزام نہیں ہے

آخر میں یہ وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ اس کتاب کی تالیف و تکمیل سے لے کر پریس جانے تک یعنی اکتوبر ۹۸ء سے تا حال تقریباً دس ماہ کی ایسی شدید علالت کی وجہ سے جس نے مجھ کو زندگی سے بالکل مایوس کردیا تھا، میرے لیے کتاب کی پروف ریڈنگ پر جیسی چاہیے تھی ویسی توجہ دینا ممکن نہ رہا۔ علالت کا سلسلہ تو اب تک جاری ہے مگر اللہ کے کرم سے اب طبیعت نسبتاً بہتر ہے، اس لیے میں نے حتی الامکان پروف ریڈنگ پر توجہ دی ہے مگر یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ کتاب میں غلطیاں باقی نہیں رہی ہوں گی۔ مجھ کو تاریخی مادوں اور ان کے اعداد میں مطابقت کی بہت زیادہ فکر تھی اس لیے کہ تاریخ گوئی کے موضوع پر بعض دوسری کتابوں میں مصرع تاریخ اور اعداد کی عدم مطابقت پر میں نے اس کتاب میں تنقید کی ہے۔ اس لیے میری خواہش تھی کہ ایسی غلطیوں سے یہ کتاب پوری طرح پاک ہو۔ لیکن یہ اس قدر محنت طلب کام تھا جس کو صرف چند منٹ انجام دینے میں بھی علالت کی وجہ سے میرا دماغ سُن ہوجاتا اور میں ذہنی اور جسمانی طور پر بہت تھک جاتا تھا۔ اس لیے یہ کام پوری طرح انجام دینا میرے لیے ممکن نہیں ہوا۔ بہرحال جس حد تک ممکن ہوسکا، میں نے کیا ہے۔ لہٰذا اگر کتاب میں مادۂ تاریخ اور اعداد میں عدم مطابقت کی غلطیاں نکلیں تو قارئین حضرات بھی مجھے صدق دل سے معاف فرمائیں اور حال و ماضی کے وہ گرامی مرتبت مولفین و مصنفین بھی جن کی کتابوں پر میں نے ایسی غلطیوں کی وجہ سے تنقید کی ہے۔ میں شکر گزار ہوں گا۔

ناشکر گزاری ہوگی اگر میں اختتام سے پہلے ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل میں کچھ ضروری معلومات خصوصاً تاریخی مادے جمع کرنے میں سعی بلیغ سے میری اعانت کی جس کے بغیر یہ مشکل کام میرے لیے مشکل تر ہوجاتا۔ ان میں سرفہرست جناب محترم انجینئر نجیب حسین صاحب کا اسم گرامی ہے جو بد قسمتی سے اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ قضائے الہٰی سے

اسی سال ۲۴ فروری کو ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے علاوہ جناب محترم سید اشتیاق حسین رضوی صاحب، مدیر ماہنامہ الامیر کراچی اور عزیزی جناب نیر اسعدی صاحب کے اسمائے گرامی بھی نمایاں ہیں۔ جناب صابر براری نے ازرہِ لطف و کرم مجھ کو اپنی کتاب "تاریخ رفتگاں" کی وہ ایک واحد جلد جو ان کے پاس باقی رہ گئی ہے، مجھ پر اعتماد کر کے عاریتاً مجھے عنایت فرمائی جس سے میں نے متعدد تاریخی مادے اس کتاب میں شامل کرنے کے لیے منتخب کیے۔ میں ان سب حضرات کا تہِ دل سے ممنون و متشکر ہوں۔

ساحر لکھنوی
(سید قائم مہدی)

اصول و قواعد

تنقیدی جائزہ

اور

محاکمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

شعر و ادب کے جو شائقین تاریخ گوئی کے فن کے متعلق زیادہ معلومات نہیں رکھتے، ان کے لیے تاریخ گوئی کے فن پر گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے اس پر نظر ڈالنا ضروری ہے کہ تاریخ گوئی کسے کہتے ہیں۔

مختلف اساتذۂ فن اور لغت نویسوں نے تاریخ گوئی کی تعریف مختلف لفظوں میں بیان کی ہے جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

صاحبِ منتخب اللغات نے "وقت پدید آمدن چیزے" کہہ کر تاریخ گوئی کا مفہوم واضح کیا ہے یعنی کسی چیز کے وقت کے ظاہر ہونے کو تاریخ گوئی کہتے ہیں۔

کنز اللغات میں "تاریخ وقت چیزے پدید کردن" ہے۔

صاحب غرائب الجمل نے بھی تقریباً یہی بات لکھی ہے۔

صراح میں "وقت پیدا کردن" ہے۔

صاحب معدن الجواہر نے اس کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

"تاریخ نام صنعتے است از صنائع علم بدیع و این عبارت است از آں کہ متکلم بیان کند سال ہجری یا سالِ دیگر را برائے وقوعِ امرے بہ لفظے یا فقرۂ یا مصرعہ یا زیادہ از آں کہ اعدادش بحسابِ جمل موافق سال مذکور باشد"۔

صاحب نور اللغات لکھتے ہیں کہ:

"کسی چیز کے ظہور کا وقت ظاہر کرنا، کسی امرِ عظیم کے وقت کا تعین کرنا، کسی واقعے کا ایسے الفاظ میں ظاہر کرنا جن کے اعداد بحسابِ جمل جوڑنے سے زمانہ وقوع ظاہر ہو مثلاً "اردو کا نادر لغت" نور اللغات کی تالیف کی تاریخ ہے جس سے ۱۹۱۷ء نکلتے ہیں"۔

(ج ۲، ص ۲۱۲)

غلام علی آزاد، صاحبِ "خزانۂ عامرہ" کا کہنا ہے کہ:

"اصطلاح میں تاریخ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی لفظ یا فقرہ یا عبارت، مصرع یا بیت ایسی تجویز کریں کہ اس کے مکتوبی حروف کے عددوں سے بحسابِ جمل سن اور سال کسی واقعہ، شادی یا وفات کے معلوم ہوں یا نکاح خواہ تولدِ فرزند یا تصنیفِ کتاب، خواہ لڑائی یا بادشاہ کے جلوس یا اور امر کے وقوع کا زمانہ سمجھا جائے"۔

(فنِ تاریخ گوئی اور اس کی روایت، ص ۶ بحوالہ بحر الفصاحت، ص ۹۹۶، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ)

حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی، "افادۂ تاریخ" مطبوعہ ۱۳۰۲ھ میں لکھتے ہیں:

"تاریخ لغت میں کسی چیز کے وقت کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور مورخین یعنی تاریخ گویوں کی اصطلاح میں کسی امرِ عظیم اور واقعۂ قدیم و مشہور مانند کسی بادشاہ کی سلطنت یا کسی فتنہ و فساد و جنگ و کارزار یا شادی و مرگ یا بنائے عمارت و باغ وغیرہ دیگر سوانحِ روزگار کی ابتدا کی مدت کے معین کرنے کو بولتے ہیں"۔

(ص ۲)

حکیم میر مہدی حسین الم، "گلبن تاریخ"، مطبوعہ ۱۳۱۳ھ میں لکھتے ہیں کہ اصطلاح میں تقرر مدت ابتدا سے کسی امر عظیم و واقعہ قدیم کے مثل کسی بادشاہ کے جلوس کے یا شادی و مرگ و ولادت و بنائے باغ و عمارت و جنگ وغیرہ کے۔

مندرجۂ بالا تمام تعریفوں کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی کسی واقعہ کے وقوع میں آنے کی تاریخ ظاہر کرنا۔ مثلاً کسی کی ولادت یا شادی یا انتقال یا کسی کتاب کی اشاعت یا کسی اعزاز کا ملنا یا کسی مہم میں کامیابی یا کسی حادثے یا سانحے کا رونما ہونا یا کسی کا اقتدار قائم ہونا یا ختم ہونا وغیرہ۔

جناب نیساں اکبر آبادی نے " درج تاریخ" میں عربی ادب سے اکتساب اور استفادہ کے حوالہ سے فنِ تاریخ گوئی کے سلسلے میں تاریخِ طبری، تاریخِ بخارا اور تاریخ بیہقی وغیرہ کا ذکر کیا ہے جو ناقابلِ فہم ہے۔ تاریخ اسلام کی ان کتابوں کا فنِ تاریخ گوئی سے کیا تعلق ہے، اس کی کوئی وضاحت انھوں نے نہیں کی۔

جلال اور ان کی پیروی میں الم نے جو " امر عظیم اور واقعہ قدیم و مشہور کی شرط لگائی ہے، تاریخ گویوں نے بقولِ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس کی بالعموم پابندی نہیں کی، بلکہ معمولی معمولی واقعات و حالات کی تاریخیں بھی نظم و نثر دونوں میں کہی ہیں، (فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت، ص ۵)۔

قیامِ پاکستان کے بعد سے زیادہ تر لوگوں کے انتقال پر تاریخیں کہی گئی ہیں۔ خواہ وہ اہم شخصیات ہوں یا اعزا و اقربا اور دوست احباب۔ اس کے علاوہ بعض کتابوں کی اشاعت اور بعض دفعہ کسی عزیز یا دوست کی شادی پر یا کسی کی فرمائش پر تاریخ کہہ لی جاتی ہے۔ ایسے واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی تاریخ کو ایک مصرع، ایک شعر یا ان کے ایک جزو یا ایک لفظ یا ایک فقرہ میں قاعدۂ جمل کے اعتبار سے محفوظ کر لینا تاریخ گوئی کہلاتی ہے۔

○ قاعدۂ جمل سے تاریخ کیسے محفوظ کی جاتی ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جمل کی رو سے ابجد کے حروف کی قیمتیں یا اعداد مقرر ہیں جیسے الف کا ایک اور با (ب) کے دو وغیرہ۔ تاریخ گوئی کے لیے شاعر یا تاریخ گو کو ایک مصرعے یا شعر یا ان کے کسی جزو یا کسی فقرے کو ایسی لفظوں سے ترتیب دینا ہوتا ہے جن کے مکتوبی حروف کے اعداد جمل کے حساب سے جوڑے جائیں تو اس خاص واقعہ کا سنِ عیسوی یا ہجری وغیرہ ظاہر ہو جس میں وہ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ اس طرح تاریخ گو اعداد کو حروف میں تبدیل کر دیتا ہے۔ گویا یہ حروف ایک طرح کی خفیہ تحریر (code words) کا کام دیتے ہیں جن کے باطن میں کسی واقعہ کی تاریخ پوشیدہ ہوتی ہے۔

چونکہ فنِ تاریخ گوئی کی بنیاد حسابِ جمل پر ہے، اس لیے سب سے پہلے

اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے:

قاعدہ جمل میں ابجد کی ترتیب کے مطابق حروف کی قیمتیں یا اعداد مقرر کیے گئے ہیں ۔ حروفِ ابجد عربی کے حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کیے گئے ہیں اور ان سے آٹھ کلمات بنائے گئے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ

ابجد کے حروف کی یہ ترتیب عربی کے حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے ۔ ایسا کیوں ہے ؟ یہ ترتیب کس نے مقرر کی اور کب ؟ ابجد کے ان آٹھ کلمات کے معنیٰ یا مفہوم کیا ہے ۔ کوئی مفہوم ہے بھی یا نہیں ۔ محققین نے اس پر بھی بہت بحث کی ہے اور طرح طرح کے نظریات یا توجیہات پیش کی ہیں ۔ تاریخ گوئی کے فن کو سمجھنے کے لیے اس بحث کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اور محض علمی دلچسپی کے علاوہ اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے ۔ علمی دلچسپی ہی کے پیشِ نظر مختصراً کچھ نظریات درجِ ذیل ہیں جو جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب " فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت " میں رسالہ نگار (لکھنؤ)، معلومات نمبر، ص ۱۰۴، جنوری، فروری، ۱۹۵۸ء اور دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد اول، ص ۳۳۷، مطبوعہ دانش گاہِ پنجاب، لاہور ۱۹۶۴ء کے حوالے سے لکھے ہیں:

(۱) ابوجد یا اباجاد نامی ایک بادشاہ گزرا ہے ۔ اسی کا مخفف ابجد ہے ۔ باقی سات کلمات کا تعلق اس کے سات بیٹوں کے ناموں سے ہے ۔

(۲) مرامر نامی کسی شخص نے رسم الخط ایجاد کیا تھا اور یہ آٹھوں کلمات اس کے آٹھ بیٹوں کے نام ہیں ۔

(۳) ان کلمات کے حروف خاص ترتیب اور مفہوم کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئے، جنھیں ترتیب دے کر حضرت ادریس علیہ السلام نے یہ آٹھ کلمات بنالیے ۔

(۴) ان کلمات کو مدین کے چھ بادشاہوں نے ایجاد و مرتب کیا تھا ۔

(۵) ان کلمات کا تعلق دیووں، شیطانوں اور دنوں کے ناموں سے ہے۔

جناب نیاز فتح پوری نے "نگار"، لکھنؤ، معلومات نمبر میں "ابجد کی لبجاد" کے عنوان سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے ان سب نظریات کو بے دلیل، بے بنیاد اور لغو قرار دیا ہے۔ ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ عربوں نے حروف ہجا عبرانی اور آرامی زبانوں سے حاصل کیے اور چونکہ وہاں یہی ترتیب تھی جو ابجد ہوز وغیرہ میں پائی جاتی ہے اس لیے عربوں نے بھی اسے بجنسہ لے لیا۔ بعد کو البتہ اس ترتیب میں بلحاظ اسلوبِ تحریر و مخارج کچھ فرق ہو گیا۔

ان کلمات کے معانی بھی مختلف اہلِ علم نے الگ الگ لکھے ہیں۔ ایک روایت جو بہت عام ہے اور مختلف کتب و لغات میں ملتی ہے اس کی رو سے ان کلمات کے معانی حسبِ ذیل ہیں جو جناب مہدی حسین ناصری نے مخزن الفوائد مطبوعہ مشن پریس الہ آباد ۱۹۲۲ء میں صفحہ ۳ پر درج کیے ہیں:

۱) ابجد = آغاز کردن

۲) ہوز = در پیوست

۳) حطی = واقف

۴) کلمن = سخن گو شد

۵) سعفص = زود بیآموخت

۶) قرشت = ترتیب کرد

۷) ثخذ = در دل گرفت

اور ۸) ضظغ = تمام کرد

(فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت، ص ۱۰)

جناب نیساں اکبر آبادی کی کتاب "درج تاریخ" حال ہی میں نظر سے گزری ہے۔ انھیں نے بھی ابجد کے کلمات کے یہی معنی لکھے ہیں، مگر کسی ماخذ کے حوالے کے بغیر جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ خود ان کا اپنا نظریہ و تحقیق ہے یا انھوں نے

کسی اور محقق کی تحقیق کے ثمرات سے استفادہ کیا ہے۔

ابجد کے مندرجہ بالا آٹھ کلمات میں کل اٹھائیس حروف ہیں - ہر حرف کے اعداد بحساب جمل حسب ذیل ہیں:

۱) ابجد = ا ب ج د
۱ ۲ ۳ ۴

۲) ہوز = ہ و ز
۵ ۶ ۷

۳) حطی = ح ط ی
۸ ۹ ۱۰

۴) کلمن = ک ل م ن
۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰

۵) سعفص = س ع ف ص
۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰

۶) قرشت = ق ر ش ت
۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰

۷) ثخذ = ث خ ذ
۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰

۸) ضظغ = ض ظ غ
۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

حروف ابجد کی یہ ترتیب ، ان سے آٹھ کلمات کی تشکیل ، انکے اعداد اور مندرجۂ بالا سطور میں جناب مہدی حسین ناصری کے حوالے سے بیان کردہ معانی کہاں تک درست اور معتبر ہیں اس کے بارے میں ایک تحقیقی انکشاف جو ابجد پر بحث کرنے والے کسی مصنف کی کتاب میں مذکور نہیں ، ان سارے نظریات کو مشکوک اور غیر معتبر ثابت کرتا ہے ۔اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

جناب محترم انجینئر سید محمد نجیب حسین جو ایک طویل عرصے تک نائجیریا (مغربی افریقا) میں پیشہ ورانہ خدمات انجام دے چکے ہیں ، انھوں نے انجینئر ہونے کے باوجود علم و ادب خصوصاً رثائی ادب میں اہم تحقیقی کام بھی کیئے ہیں اور خدا کے فضل سے یہ سلسلہ جاری ہے (افسوس کہ ۲۴ فروری ۹۹ء کو اس کتاب کی تالیف کے دوران انھوں نے اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی جانب انتقال فرمایا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون) ۔اسی ذوق تحقیق کی بنا پر انھوں نے تین افریقی زبانوں کے اردو مرادفات پر مشتمل ایک کتاب بھی شائع کی ہے ۔ نائجیریا اور مغربی افریقا کے دوسرے ممالک میں عربی زبان بھی رائج ہے ۔انھوں نے ایک سابق قاضی الحاج عبداللہ یوسف سے نائجیریا اور مغربی افریقا کے دوسرے ممالک میں رائج عربی کے حروف ابجد کی ترتیب ، ان سے کلمات کی تشکیل اور اعداد کے متعلق معلومات حاصل کیں جن سے معلوم ہوا کہ یہاں اور وہاں رائج ابجد کے بعض حروف کی ترتیب ، تشکیل اور اعداد میں اختلاف ہے ۔

پہلے یہ واضح کردوں کہ نائجیریا اور مغربی افریقا کے دوسرے ممالک میں ابجد کی اہمیت کیا ہے ۔اس کا اندازہ اس بات سے بہت آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان مقامات پر طالبان علم کو گنتی اور پہاڑے بھی حروف ابجد سے سکھائے جاتے ہیں جن کی بنیاد ان حروف کے اعداد پر ہے ۔مثال کے طور پر دو اور تین کے پہاڑے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

دو کا پہاڑا

۲	×	۱	=	۲	بابٌ
۲	×	۲	=	۴	ببدٌ
۲	×	۳	=	۶	بجوٌ
۲	×	۴	=	۸	بدحٌ
۲	×	۵	=	۱۰	بھیٌ
۲	×	۶	=	۱۲	بوبیٌ
۲	×	۷	=	۱۴	بزدیٌ
۲	×	۸	=	۱۶	بحویٌ
۲	×	۹	=	۱۸	بطحیٌ
۲	×	۱۰	=	۲۰	بیکٌ

تین کا پہاڑا

۳	×	۱	=	۳	جاجٌ
۳	×	۲	=	۶	جبوٌ
۳	×	۳	=	۹	ججطٌ
۳	×	۴	=	۱۲	جدبیٌ
۳	×	۵	=	۱۵	جھیٌ
۳	×	۶	=	۱۸	جوحیٌ
۳	×	۷	=	۲۱	جزاکٌ
۳	×	۸	=	۲۴	جحدکٌ
۳	×	۹	=	۲۷	جطزکٌ

۳	×	۱۰	=	۳۰	جیلؔ
۴	×	۴	=	۱۶	ددویؔ
۵	×	۶	=	۳۰	ہولؔ
۶	×	۷	=	۴۲	وزمؔ
۷	×	۸	=	۵۶	زحوَنؔ
۸	×	۹	=	۷۲	حطیعؔ
۹	×	۱۰	=	۹۰	طیصؔ

برِصغیر پاک و ہند میں مروجہ حروفِ ابجد کے مقابلے میں نائجیریا اور مغربی افریقا کے بیشتر ممالک میں بعض حروف کے اعداد میں اختلاف ہے۔

اب ان ممالک میں رائج ابجد کی ترتیب، کلمات کی تشکیل اور اعداد میں اختلاف ملاحظہ ہو:

ابجد، ہوز، حطی، کلمن، صعفض، قرست، ثخذ، ظغش۔

اس سے مندرجۂ ذیل اختلافات سامنے آتے ہیں:

(i) ہمارے یہاں رائج سعفص (س ع ف ص) کے بجائے وہاں صعفض (ص ع ف ض) رائج ہے۔

(ii) اسی طرح ہمارے یہاں قرشت (ق ر ش ت) ہے جبکہ وہاں قرست (ق ر س ت) میں ش کے بجائے س ہے۔

(iii) ہمارے یہاں ضظغ (ض ظ غ) ہے اور وہاں ظغش (ظ غ ش) ہے۔

اس طرح دونوں جگہوں پہ رائج ابجد کے بعض حروف کے اعداد میں اختلاف ہو گیا جو حسبِ ذیل ہے:

(الف) ہمارے یہاں س کے ساٹھ عدد ہیں جبکہ وہاں س کے تین سو عدد دیے

جاتے ہیں۔

(ب) یہاں ص کے نوے عدد ہیں جبکہ وہاں ص کے ساٹھ عدد ہوتے ہیں۔

(ج) یہاں ش کے تین سو اور وہاں ش کے ایک ہزار ہیں۔

(د) یہاں ض کے آٹھ سو عدد ہیں جبکہ وہاں ض کے نوے عدد لیے جاتے ہیں۔

(ہ) ہمارے یہاں ظ کے نو سو عدد لیے جاتے ہیں اور وہاں آٹھ سو عدد شمار ہوتے ہیں۔

(و) یہاں غ کے ایک ہزار ہوتے ہیں جبکہ وہاں غ کے نو سو عدد محسوب ہوتے ہیں۔

اس صورتِ حال میں جبکہ نائجیریا وغیرہ میں جہاں عربی زبان رائج ہے، ابجد کے حروف کے اعداد میں بھی اختلاف ہے اور ان کی ترتیب و تشکیل میں بھی، یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہاں ابجد کے حروف سے تشکیل شدہ کلمات کے معنوں میں بھی اختلاف ہوگا اس لیے کہ عربی ایسی زبان ہے جس میں زیر زبر کے فرق سے بھی معنی بدل جاتے ہیں پھر جب ان کلمات کا املا ہی بدلا ہوا ہو تو معنی بدل جانے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اب اگر ایسا ہے تو ابجد کی لہجاد سے متعلق مختلف نظریات اور ان کے بیان کردہ معانی وغیرہ سب مشکوک بلکہ بڑی حد تک باطل ہو جاتے ہیں مگر جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، تاریخ گوئی کے فن کو سمجھنے کے لیے ان نظریات اور معانی کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اور یہ محض علمی دلچسپی کی چیز ہے۔ اسی علمی دلچسپی کے پیشِ نظر میں نے اس تحقیقی انکشاف کو ضروری سمجھا تاکہ جن حضرات نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں مگر اس تحقیق سے عدم واقفیت کی بناء پر اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اور وہ لوگ جو آئندہ اس موضوع پر کتابیں لکھیں ان کے علم میں بھی یہ حقیقت آجائے اور یہاں اور نائجیریا وغیرہ میں ابجد کی ترتیب، اس کے کلمات کی تشکیل اور اعداد کا یہ اختلاف ان کے پیشِ نظر رہے۔

اس بحث کے بعد میں دوبارہ یہاں رائج ابجد کے حوالے سے اردو کے حروفِ تہجی کی طرف آتا ہوں۔ چونکہ جمل کی بنیاد حروفِ ابجد پر ہے جو سب کے سب عربی کے حروفِ تہجی سے لیے گئے ہیں، اس لیے اس میں وہ حروف شامل نہیں ہیں جو اردو میں فارسی، ہندی اور سنسکرت وغیرہ سے آئے ہیں۔ یہ حروف حسبِ ذیل ہیں:

پ ، ٹ ، چ ، ڈ، ڑ، ژ، گ ، ے ، بھ ، پھ ، تھ ، ٹھ ، جھ ، چھ ، دھ ، ڈھ ، کھ ، گھ ۔

مندرجۂ بالا حروف چونکہ اردو کے حروفِ تہجی میں داخل ہیں اور اردو میں تاریخ کہنے کے لیے ان کا استعمال بھی ناگزیر ہے لہٰذا ان کے اعداد بھی مقرر کیے جانا ضروری تھے۔ چنانچہ ماہرینِ جمل نے ان میں کے پہلے آٹھ حروف میں سے ہر حرف کے اعداد اردو کے حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق اس سے پہلے والے حرف کے اعداد کے برابر مقرر کر دیے۔ اس طرح ان حروف کے اعداد حسبِ ذیل قرار پائے:

پ	ٹ	چ	ڈ	ڑ	ژ	گ	ے
۲	۴۰۰	۳	۴	۲۰۰	۷	۲۰	۱۰

اس طرح اردو کے تمام حروفِ تہجی عربی و غیر عربی سب کے اعداد ان کی ترتیب کے مطابق حسبِ ذیل قرار پائے:

ا	ب	پ	ت	ٹ	ث	ج	چ	ح	خ
۱	۲	۲	۴۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۳	۳	۸	۶۰۰

د	ڈ	ذ	ر	ڑ	ز	ژ	س	ش	ص
۴	۴	۷۰۰	۲۰۰	۲۰۰	۷	۷	۶۰	۳۰۰	۹۰

ض	ط	ظ	ع	غ	ف	ق	ک	گ	ل
۸۰۰	۹	۹۰۰	۷۰	۱۰۰۰	۸۰	۱۰۰	۲۰	۲۰	۳۰

م	ن	و	ہ	ھ	ی	ے
۴۰	۵۰	۶	۵	۵	۱۰	۱۰

اردو کے حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق جو ان حروف کے اعداد اوپر لکھے گئے ہیں، وہ گنتی کے اعتبار سے بہت بے ترتیب ہیں۔ مثلاً الف کا ایک اور با (ب) کے دو اور اس کے بعد ت کے چار سو، ث کے پانچ سو اور پھر ج کے تین وغیرہ۔ اس طرح اس کو یاد کرنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا ان حروف کے اعداد اب ابجد کی ترتیب کے ساتھ بھی درج کیے جاتے ہیں جس سے گنتی میں ترتیب اور تسلسل پیدا ہو جائے گا اور اس طرح ان کا یاد کرنا آسان ہو جائے گا:

ا	ب	پ	ج	چ	د	ڈ	ہ	ھ	و
۱	۲	۲	۳	۳	۴	۴	۵	۵	۶

ز	ژ	ح	ط	ی	ے	ک	گ	ل	م
۷	۷	۸	۹	۱۰	۱۰	۲۰	۲۰	۳۰	۴۰

ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ڑ	ش	ت
۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰

ٹ	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

اردو کے ان حروفِ تہجی کے اعداد معلوم ہونے کے بعد جو دس حروف بچتے ہیں، وہ یہ ہیں:

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، کھ، گھ یہ حروف ہندی کے ہیں۔ یوں تو ان کا شمار ایک ایک حرف میں ہوتا ہے۔ اور علم عروض میں بھی ان کو ایک

ایک حرف ہی تسلیم کیا گیا ہے مگر تاریخ گوئی میں ان کو مرکب حروف قرار دیا گیا ہے جو ہائے مخلوطہ یا دو چشمی "ہے" (ھ) کے ساتھ سابقہ حرف سے مل کر بنتے ہیں جیسے ب + ھ = بھ اور پ - ھ = پھ وغیرہ ۔ اس لیے حسابِ جمل میں ان کے عدد دونوں حروف کے اعداد کے مجموعہ کے برابر ہوں گے جن سے وہ مرکب ہیں مثلاً بھ چونکہ ب + ھ سے مرکب ہے اس لیے ب کے دو اور ھ کے پانچ عدد مل کے بھ کے عدد = ۷ ہوں گے ۔

ایسے سارے مرکب حروف کے اعداد حسبِ ذیل ہیں :

بھ	پھ	تھ	ٹھ	جھ
۷	۷	۴۰۵	۴۰۵	۸
چھ	دھ	ڈھ	کھ	گھ
۸	۹	۹	۲۵	۲۵

○ حروفِ تہجی کے اعداد معلوم ہوجانے کے بعد سب سے اہم بات جو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ تاریخ گوئی میں حروفِ مکتوبی کا اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ عروض میں حروف ملفوظی کا اعتبار ہوتا ہے ۔ حروفِ مکتوبی وہ ہوتے ہیں جو لکھنے میں آتے ہیں چاہے تلفظ میں ظاہر ہوتے ہوں یا نہ ہوں ۔ مثلاً خواب ، خوشی ، خودی اور بالکل وغیرہ ۔ خواب کا تلفظ خاب ہے اس میں واؤ معدولہ ہے یعنی واؤ اس میں تلفظ میں ظاہر نہیں ہوتا مگر تاریخ گوئی میں اس واؤ کے عدد بھی شمار کیے جانا ضروری ہیں ۔ اسی طرح خوشی کا تلفظ خشی ، خودی کا خدی ، اور بالکل کا تلفظ بلکل ہے ۔ خوشی اور خودی میں واؤ اور بالکل میں الف تلفظ سے خارج ہیں مگر تاریخ گوئی میں حساب لگاتے وقت ان کے اعداد شمار کرنا لازمی ہیں ۔ اسی طرح عبدالرحمن میں الف اور لام اور عبدالغفور و عبداللطیف وغیرہ میں الف پڑھنے میں نہیں آتے ، مگر لکھے جاتے ہیں اس لیے ان کے اعداد محسوب کیے جانا ضروری ہیں ۔

بعض عربی لفظوں مثلاً اعلموا ، انفقوا ، اتقوا اور آمنوا وغیرہ میں بعد کا الف

پڑھنے میں نہیں آتا مگر چونکہ مکتوبی ہے اس لیے اس کا ایک عدد ضرور شمار کیا جائے گا

اس کے علاوہ جو حروف پوری طرح اپنی آواز نہیں دیتے مگر لکھے جاتے ہیں مثلاً امنگ، خدنگ، سنگ، رنگ، جنگ، پتنگ، درنگ اور زنگ وغیرہ کا نون غنہ اور کہ اور چہ وغیرہ کی ہائے ہوز اور عزوجاہ، رسم و راہ اور دل و جاں وغیرہ کا واؤ عطف پڑھنے میں پوری آواز نہیں دیتا مگر چونکہ کتابت میں آتا ہے اس لیے اس کے اعداد شمار کرنا ضروری ہیں۔

کاف بیانیہ یعنی "کہ" میں اگر ہائے ہوز مکتوبی ہے تو اس کے پانچ عدد محسوب کیے جائیں گے لیکن اگر "ہ" مکتوبی نہیں ہے جیسے "کہ از" کے بجائے "کز" لکھا جائے تو "ہ" غیر مکتوبی ہونے کی وجہ سے شمار نہیں ہوگی اور اس کا کوئی عدد حساب میں نہیں لیا جائے گا۔

لفظ "اور" کے بارے میں بھی بعض حضرات کو اشتباہ ہے۔ یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اور اس کے بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ "اور" خواہ بروزن فاع ہو، جیسے اس مصرع میں "بھلا میں اے زمین کوئے جاناں اور ہو جاتا" یا واؤ معدولہ کے ساتھ بروزن فع ہو اور واؤ پڑھنے میں نہ آتا ہو جیسے اس مصرع میں "دل کی یہ آواز ہے اور وقت کی بھی ہے پکار" ہر صورت میں واؤ کے چھ عدد ضرور شمار کیے جائیں گے اس لیے کہ ہر صورت میں واؤ مکتوبی ہوگا۔

حروف ملفوظی وہ حروف ہیں جو بولنے میں تو آتے ہیں مگر کتابت میں نہیں آتے۔ تاریخ گوئی میں ایسے حروف کے اعداد شمار نہیں کیے جاتے حالانکہ عروض میں تقطیع کے لیے ان کو شمار کیا جاتا ہے مثلاً محمدؐ، مشدّد، مقیّد، مشکّل، خرّم، محبّت، مروّت، اور مسبّب وغیرہ۔ ان لفظوں میں محمدؐ کی میم ثانی مشدد ہے یعنی اس پر تشدید ہے۔ یہ عروض میں دو میموں کے برابر شمار ہوگی مگر چونکہ قاعدۂ کتابت سے یہ صرف ایک مرتبہ لکھی جاتی ہے لہذا جمل میں ایک ہی میم شمار ہوگی اور تاریخ گوئی

کے لیے صرف ایک ہی میم کے چالیس عدد محسوب ہوں گے ۔اسی طرح مشدد میں پہلی دال ، مقید میں ی ، مشکل میں ک ، خرم میں ر ، محبت میں ب ، مروت میں واؤ اور مسبب میں پہلی ب کی یہی صورت ہے ۔یہ سب حروف چونکہ صرف ایک ایک بار کتابت میں آئے ہیں لہذا ان سب کو صرف ایک ایک حرف سمجھا جائے گا اور اسی حساب سے ان کے اعداد محسوب ہوں گے ۔

اسی طرح وہ الفاظ جن کا آخری حرف تنوین کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے فوراً ، احتجاجاً ، آناً فاناً ، ارتجالاً ، مجازاً یا صبوحٌ ، قدوسٌ ، یا لفظاً لفظٍ وغیرہ ، ان کا آخری حرف نون (ن) کی آواز دیتا ہے ، مگر نون لکھا نہیں جاتا ۔یعنی ان میں نون (ن) ملفوظی ہے ، مکتوبی نہیں ۔اس لیے اس کے اعداد شمار نہیں کیے جاسکتے بلکہ جو آخری حرف مکتوبی ہے جیسے اوپر دیے ہوئے الفاظ میں الف ، ح ، س اور ظ ، صرف انھیں کے اعداد محسوب ہوں گے ۔

○　مندرجہ بالا تصریحات سے یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ اردو کے سارے حروف تہجی کے اعداد بالکل واضح ہیں اور حساب جمل کا قاعدہ بہت سادہ اور آسان ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے ۔اس لیے تاریخ گوئی میں کوئی دشواری بھی نہیں ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے ۔اساتذۂ فن کے درمیان کئی حروف کی قیمتوں یا اعداد کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض مسئلے جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے بارے میں بھی زمانہ حال کے بعض شعرا کے ذہنوں میں ابہام ہے جس کی وجہ سے تاریخ گوئی میں غلطیاں ہوتی ہیں ۔ان مسئلوں پر سنجیدگی سے غور کرنے ، ان کو سمجھنے اور انھیں مستقل طور پر حل کرنے کی اشد ضرورت ہے ۔ان اختلافی مسئلوں پر جب تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں دیا جاتا اور انھیں حتمی طور پر حل نہیں کیا جاتا ، تاریخ گوئی میں الجھنیں اور دشواریاں پیش آتی رہیں گی اور قاعدہ جمل سے تاریخ کا صحیح حساب لگانا ممکن نہیں ہوگا جس کے بغیر تحقیق کے لیے تاریخ گوئی ناقابل اعتبار ہوجائے گی ۔

اس کتاب سے میری سب سے اہم غرض یہی ہے کہ ان اختلافی مسئلوں پر اساتذۂ فن کی آرا کا تنقیدی جائزہ لے کر مفصل بحث کے بعد کسی حتمی فیصلہ پر پہنچا جائے اور ان پر محاکمہ کر کے انھیں ہمیشہ کے لیے حل کر دیا جائے۔

وہ مسئلے جن کے بارے میں اساتذہ میں اختلاف ہے یا جن کے متعلق شعرا کے ذہنوں میں ابہام پایا جاتا ہے، وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱) الف ممدودہ (آ)

۲) الف مقصورہ (یٰ)

۳) تائے مدورہ (ۃ)

۴) ہمزہ (ء)

۵) ہمزہ اور یائے تحتانی معروف (ئی)

۶) ہمزہ اور یائے مجہول (ئے)

۷) یائے معروف مشدد

ان سے متعلق اختلافات، ابہام اور ان پر بحث اور اس سے حاصل ہونے والے حتمی نتائج حسب ذیل ہیں:

۱) الف ممدودہ (آ)

الف کہنے کو تو ایک ہی حرف ہے مگر یہ تین طریقوں سے لکھا جاتا ہے:

(۱) الف (ا)

(۲) الف ممدودہ (آ)

اور (۳) الف مقصورہ (یٰ)

الف (ا) میں کوئی اختلاف یا ابہام نہیں ہے۔ حسابِ جمل میں اس کا عدد ۱ (ایک) ہے۔

الف ممدودہ جو مد کے ساتھ (آ) لکھا جاتا ہے، اس کے بارے میں اساتذۂ متاخرین میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر زمانہ حال کے بعض شعرا کے ذہنوں میں

اس کی بابت ابہام پایا جاتا ہے۔

چونکہ الف ممدودہ عروض میں دو الفوں کے برابر شمار کیا جاتا ہے اور تقطیع میں الف ممدودہ کی جگہ دو الف لکھے جاتے ہیں جیسے آب کو اب اور آزاد کو اازاد، اس لیے شعرائے قدیم تاریخ گوئی میں بھی اس کے دو عدد شمار کرتے تھے مگر یہ طریقہ صحیح نہ تھا اس لیے کہ تاریخ گوئی میں حروف مکتوبی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور چونکہ الف ممدودہ کتابت میں ایک الف ہی کی طرح لکھا جاتا ہے اس لیے تاریخ گوئی میں اس کو ایک ہی الف سمجھنا اور اس کا ایک ہی عدد شمار کیا جانا چاہیے۔ مد کو ایک مستقل حرف سمجھ کر اس کا ایک عدد شمار کرنا اس لیے غلط ہے کہ مد حروفِ تہجی میں کوئی حرف نہیں ہے بلکہ صرف ایک حرکت کا نام ہے جو الف کو اشباع دیتا ہے۔ اس لیے اس کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اساتذۂ متاخرین نے بھی الف ممدودہ کے دو عدد لینا ترک کر دیئے اور اس کو ایک الف مان کر اس کا ایک عدد شمار کرنے لگے پھر یہ حتمی قاعدہ بن گیا کہ الف ممدودہ کا بھی ایک ہی عدد محسوب کرنا چاہیے۔ خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی جیسے استادِ کامل اور ماہر فن نے بھی اسی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"الف ممدودہ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مد بجائے الف کے ہے۔ اس کے دو عدد لینا چاہیے لیکن آج کل کا مروج فیصلہ یہی ہے کہ الف ممدودہ کا ایک عدد لینا چاہیے۔"

(شاعری کی چوتھی کتاب، ص ۵۹)

مگر آج کے بعض شعرا اس سے انحراف کرتے ہیں خواہ اس کی وجہ لاعلمی ہو یا ابہام یا عجز شاعری یا کچھ اور۔ مثلاً جناب شاداں دہلوی نے میرے ایک بزرگ اور معروف عالم دین زبدۃ العلماء جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ کے انتقال پر حسبِ ذیل تاریخ کہی جو ان کی مجلس ترحیم کے رقعہ میں شائع ہوئی:

اس کی تربت پہ شاداں نے باچشم تر

ہوں گے اور الف مقصورہ کا کوئی عدد شمار نہیں ہوگا۔ اسی طرح رحمٰن میں میم کے ۴۰، اسحٰق میں ح کے ۸ اور اسمٰعیل میں م کے ۴۰ عدد شمار کیے جائیں گے اور الف مقصورہ کا کوئی عدد نہیں لیا جائے گا۔

البتہ اگر ضرورتاً کتابت بدل کے عیسیٰ کو عیسا، موسیٰ کو موسا، مصطفیٰ کو مصطفا، مرتضیٰ کو مرتضا اور اسی طرح اسحٰق کو اسحاق، رحمٰن کو رحمان اور اسمٰعیل کو اسماعیل لکھا جائے تو ان میں الف کا ایک عدد شمار ہوگا کیونکہ اب یہ الف مقصورہ کے بجائے مکمل الف کے طور پر لکھا گیا ہے اور چونکہ یائے تحتانی اس میں سے نکل گئی ہے اس لیے اس کو شمار کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہی تاریخ گوئی کا قاعدہ ہے کہ حرف، جس طرح لکھا جائے اسی اعتبار سے اس کے اعداد شمار کیے جائیں

۴) تائے مدورہ (ۃ)

تائے مدورہ اس ت کو کہتے ہیں جو عربی رسم الخط میں لفظ کے آخر میں آتی ہے اور ہائے ہوز کی طرح گول لکھی جاتی ہے مگر ہائے ہوز کے برخلاف اس پر ت کے دو نقطے بھی لگائے جاتے ہیں مثلاً سدرۃ اور درۃ وغیرہ۔ اس کے علاوہ عربی رسم الخط میں بعض الفاظ کی تائے وصل گول کے بجائے ایک شوشے (تہ) کے طور پر بھی لکھی جاتی ہے جیسے کعبتہ اللہ یا مدینتہ الرسولؐ وغیرہ میں۔ کتابت کے اس فرق کے باوجود یہ تائے مدورہ ہی کہلاتی ہے۔

گو کہ تائے قرشت یا تائے طویل کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور سبھی تاریخ گو اس کے عدد چار سو شمار کرتے ہیں مگر تائے مدورہ کے بارے میں اساتذۂ فن میں شدید اختلاف ہے اور اس پر تاریخ گوئی کی کتابوں میں بہت بحث کی گئی ہے۔ ایک گروہ اساتذہ جن میں حضرت جلال لکھنوی کی شخصیت نمایاں اور سرگروہ کی سی ہے، ہائے ہوز کی طرح تائے مدورہ کے بھی پانچ عدد شمار کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ ان کی رائے میں یہی صحیح ہے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ قاعدۂ جمل اور

تاریخ گوئی میں حروف مکتوبی کا اعتبار ہوتا ہے، حروف ملفوظی کا نہیں، یعنی ان حروف کے اعداد شمار نہیں کیے جاتے جو بولنے میں تو آتے ہیں مگر کتابت میں نہیں۔ تائے مدورہ چونکہ ہائے ہوز کی طرح لکھی جاتی ہے اس لیے کتابت کے اعتبار سے اس کو ہائے ہوز ہی سمجھا جائے گا اور اس کے پانچ عدد لیے جائیں گے۔ اس میں ت کی آواز جو بولنے میں نکلتی ہے وہ ملفوظی ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں اور اس کے اعداد شمار نہیں کیے جاسکتے۔ چنانچہ حضرت جلال نے "افادۂ تاریخ" میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

جو تے (ت) کہ رسم الخط عربی میں طویل یعنی دراز لکھی جاتی ہے مانند تائے جمع وغیرہ کے جیسے کائنات، صفات، ذات، ہیہات، مافات وغیرہ کے تے (ت)۔ اس کے چار سیکڑے تاریخ میں لیے جائیں گے اور تائے تانیث اسمی اور تائے مصدری وغیرہ کے پانچ احاد لینا چاہیے کیونکہ ایسی ت کو رسم الخط عربی میں مدور یعنی گرد لکھتے ہیں بہ شکل ہا۔ پس جو "ہے" (ہ) کے عدد ہوتے ہیں وہی عدد اس "تے" (ت) کے بھی لینا چاہیے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ الف مقصورہ کے بھی جو لفظ اعلیٰ، ادنیٰ، موسیٰ، عیسیٰ، مصطفیٰ، مرتضیٰ وغیرہ کے آخر میں آتا ہے، دس عدد لیے جاتے ہیں، ایک عدد نہیں لیا جاتا، اس لیے کہ رسم الخط عربی میں الف مقصورہ بشکل یائے تحتانی لکھا جاتا ہے پس مورخین محقق ثقات نے ایسی "تے" کے پانچ ہی عدد لیے ہیں۔ یعنی اس "تے" کو "ہے" قرار دیا اور محض کتابت کا اعتبار کیا"۔

اس کے بعد جلال نے اپنی تائید میں میر علی اوسط رشک، منشی مظفر علی اسیر، منشی امیر احمد امیر مینائی اور منشی سید اسمٰعیل حسین منیر جیسے بڑے بڑے شعرا اور اساتذۂ فن کی کہی ہوئی تاریخوں کی مثالیں پیش کی ہیں جن میں تائے مدورہ کے پانچ

عدد محسوب کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ صاحبِ مقامات حریری کے ایک خطبہ غیر منقوط کا حوالہ دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

اور بڑی دلیل تو اس "تے" یعنی تائے مدورہ کی "ہے" قرار دینے کی مولف (جلال) کے پاس یہ ہے کہ صاحبِ مقامات نے مقامۂ بست و ہشتم میں خطبہ صنعت مہملہ یعنی غیر منقوط میں لکھا ہے۔ اس میں اس طرح کی تائیں بہت سی آگئی ہیں کہ وہ سب ہا (ہ) قرار دی جاتی ہیں چنانچہ اس خطبہ کی عبارت کسی قدر موافق ضرورت کے اس مختصر میں لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے...."
اس کے آگے خطبے کا ایک اقتباس دیا ہے۔

آگے چل کے جلال نے مولوی فائق مرحوم صاحبِ کتابِ مخزن الفوائد اور مولوی عبدالباسط امیٹھوی کی جو بقول ان کے بہت بڑے مورخ تھے، کہی ہوئی تاریخوں کی مثالیں دی ہیں جنھوں نے تائے مدورہ کے چار سو عدد شمار کیے اور پھر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یہ امر ان کے نزدیک مخدوش ہے اور پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جلال اور ان کے موئید شعرا اور اساتذۂ فن کے نزدیک تائے مدوہ کے ہر حال میں پانچ عدد ہی لینا چاہیے۔

دوسری طرف وہ اساتذہ بھی ہیں جو تائے مدورہ کے ہر حال میں چار سو عدد شمار کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ ان میں کی نمایاں یا نمائندہ شخصیت حکیم میر مہدی حسین الم شاگرد حضرت داغ دہلوی اور مولف "گلبن تاریخ" کی ہے۔ انھوں نے "گلبن تاریخ" میں اس مسئلے پر یوں بحث کی ہے:

"تائے مثناۃ فوقانی جو آخر کلمات میں بشکل ہائے مدورہ لکھی جاتی ہے مثل صلواۃ اور جنۃ وغیرہ کے، اس کے بارے میں رام پرشاد ظاہر صاحبِ "کان تاریخ" نے لکھا ہے کہ اس کے چار سو عدد

لینے خطا ہیں ۔ اور حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی (نے) بھی باستدلال قول صاحبِ " خزانہ عامرہ " وغیرہ نہایت طول طویل عبارت میں اپنے رسالہ " افادۃ التاریخ " میں تحریر فرمایا ہے کہ تائے تانیث اسمی و مصدری وغیرہ کے پانچ احاد لینا چاہیے کیونکہ ایسی " تے " کو رسم الخط عربی میں مدور یعنی گرد بشکل (ہ) ہائے مدورہ لکھتے ہیں ۔ بنا برآں جو عدد " ہے " کے ہوتے ہیں وہی عدد اس (تے) کے بھی لینا چاہیے وغیرہ ۔ یہ بجا کہ تاریخ میں کتابت اور رسم الخط کا اعتبار ہے لیکن رسم الخط میں ہائے ہوز پر دو نقطے نہیں لکھتے اور عربی میں تائے تانیث وغیرہ کو اکثر گرد لکھا کرتے ہیں ۔ اس لیے معلوم ہوا کہ رسم الخطِ عربی میں " تا " دو صورتوں سے لکھی جاتی ہے ۔ ایک مدور اور ایک دراز ۔ آپ یہ ثابت کر دیجیے کہ ایسی (تے) قطعاً (ہے) ہے اور اس مقام پر استدلالِ خطبہ مہملہ صاحبِ " مقاماتِ حریری " بالکل مہمل ہے کیونکہ کچھ وہ تاریخی نہیں ہے اور نظم بھی نہیں ۔ ممکن ہے کہ اس نے حالت وقف میں لکھا ہو ۔ کاش اس کے عوض کسی اہل زبان عرب و عجم کی کوئی تاریخ اس قسم کی تحریر فرماتے جو اس قسم کے (تے) کے (ہے) ہونے پر مشعر ہوتی اور اس کے پانچ عدد لیے ہوتے ۔ میں نے جہاں تک تحقیق کی ہے زباندانان عجم نے (تے) کے خواہ دراز مکتوب ہو یا مدور چار سو ہی عدد لیے ہیں ۔ چنانچہ آقا مرزا ھمدم صاحب مرحوم شیرازی نے تاریخ شہادت مرزا عباس مرحوم میں جو ۱۲۶۴ھ میں معہ رفقاء درجۂ عالیہ شہادت پر فائز ہوئے ہیں ، تحریر فرمایا ہے:

عباس ذاکرِ شہِ لب تشنگاں چو گشت
مقتول با چہاردہ از ھمدم و ندیم

برب الکعبہ میں جو در حالتِ وقف (تے) ملفوظ ہوتی ہے، اس کے پانچ لیے جائیں اور کعبتہ اللہ میں در حالتِ وصل جو (تے) ملفوظ ہوتی ہے، اس کے چار سو۔ اس فیصلے کو ان کے معتقدین ہی تسلیم فرمائیں تو فرمائیں، دوسرا کیونکر مان لے کہ قاعدۂ تاریخ ہی مٹا جاتا ہے"۔

(افادۂ تاریخ، ص ۲۵، ۲۶)

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت جلال کا یہ نقطۂ نظر بالکل درست ہے کہ تاریخ میں صرف حروفِ مکتوبی کا حساب ہوتا ہے، حروف ملفوظی کا نہیں اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ان کی تائید میں امیر مینائی، علی اوسط رشک، مظفر علی اسیر اور منشی اسمعیل حسین منیر جیسے بڑے شعرا اور ماہرینِ فن کے نظائر بھی اس کے متقاضی ہیں کہ حضرت جلال کے قول کو بے چوں وچرا تسلیم کر لیا جائے اور بہ اعتبارِ کتابت تائے مدورہ کے ہر حال میں پانچ عدد شمار کیے جائیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ انھوں نے تائے مدورہ کے بارے میں اس حقیقت سے صرفِ نظر کیا کہ ہائے ہوز اور تائے مدورہ میں نمایاں فرق دو نقطوں کا ہے۔ ہائے ہوز (ہ) پر کوئی نقطہ نہیں ہوتا، جبکہ تائے مدورہ پر دو نقطے (ۃ) لازماً لگائے جاتے ہیں۔ انھیں نقطوں سے ہائے ہوز (ہ) اور تائے مدورہ (ۃ) میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے شیخ امام بخش صہبائی نے محاکمہ کیا۔ میر مہدی حسین الم نے اسی نقطہ نظر کی تائید کی اور نامور شاعر و استادِ فن لسان القوم حضرت صفی لکھنوی نے بھی اپنے ایک خط بنام جناب کسریٰ منہاس میں اسی بنا پر تائے مدورہ موصولہ کے چار سو عدد محسوب کرنے پر زور دیا۔ حضرت صفی کے اس خط کا اقتباس جناب کسریٰ منہاس نے اپنی کتاب "فنِ تاریخ گوئی" میں تائے مدورہ کی بحث میں شامل کیا ہے۔ میں اس نقطۂ نظر کو اور واضح کرنا اور اس پر ایک اور دلیل کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔

ہائے ہوز اور تائے مدورہ میں نقطوں سے کتابت میں فرق پیدا ہونے کی

مزید وضاحت کے لیے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اردو حروفِ تہجی میں فارسی، عربی اور سنسکرت کے حروف سمیت کئی حروف ہمشکل ہیں۔ مثلاً ب، ت اور ث عربی کے، پ فارسی کا اور ٹ سنسکرت کا حرف ہے، مگر سب کی شکل ایک ہے۔ سب اس شکل (ٮ) میں لکھے جاتے ہیں۔ ان میں فرق صرف نقطوں یا ط کی علامت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ج، چ، ح اور خ ہیں پھر د اور ذ، ر، ز اور ژ، س اور ش، ص اور ض، ط اور ظ، اور ع اور غ۔ ان سارے ہم شکل حروف میں نقطوں ہی سے فرق پیدا ہوتا ہے۔ اسی فرق سے ان کا تلفظ بدلتا ہے اور اسی سے ان کے اعداد بھی بدل جاتے ہیں۔ مثلاً جب اس شکل (ٮ) کے نیچے ایک نقطہ لگائیں تو یہ "بے" (ب) پڑھا جائے گا اور حسابِ جمل میں اس کے ۲ عدد شمار ہوں گے، مگر جب اس کے اوپر دو نقطے لگا دیئے جائیں تو یہ ت ہوجائے گا اور اس کے دو کے بجائے چار سو عدد شمار ہوں گے اور اگر اس پر ایک اور نقطے کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ ث ہوجائے گا اور اس کے پانچ سو عدد محسوب ہوں گے۔ یہی صورتِ حال ج، چ، ح اور خ اور دوسرے ہم شکل حروف کی ہے۔ سب کی مکتوبی صورت ایک ہی ہے۔ فرق صرف نقطوں سے پیدا ہوتا ہے۔

اب جبکہ یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم شکل حروف میں فرق نقطوں سے پیدا ہوتا ہے اور انھیں کی بدولت ان کی صورت اور آواز بھی بدل جاتی ہے تو پھر اس اصول کا اطلاق ہائے ہوز (ہ) اور تائے مدورہ (ۃ) پر بھی ہونا چاہیے۔ جب یہ گول شکل (ہ) سادی یعنی بغیر نقطوں کی لکھی جائے گی تو ہائے ہوز کہلائے گی اور اس کے پانچ عدد شمار کیے جائیں گے، مگر جب اس پر دو نقطے بھی لگا دیئے جائیں جو تائے قرشت کی علامت ہیں تو اس (ۃ) کو ہائے ہوز کے بجائے تائے مدورہ سمجھا جائے گا۔ لہذا اس کے چار سو عدد شمار کیے جانا چاہیے ہیں۔

اب اس بحث میں ایک نئی دلیل سے میں جو اضافہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ت کئی مختلف صورتوں سے لکھی جاتی ہے جو حسبِ ذیل ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ ہمزہ حروفِ ابجد میں شامل نہیں ہے ، اس لیے حسابِ جمل میں ہمزہ کا کوئی عدد نہیں لیا جاتا ، سوائے ایک صورت میں کہ ہمزہ کو "یا" (ی) کے قائم مقام کے طور پر لکھا جائے ۔ اس کی تفصیل بعد میں بیان ہوگی ۔ پہلے ہمزہ کے متعلق حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی صاحب "افادۂ تاریخ" جیسے مستند استاد فن کا یہ قول ملاحظہ کیجیے :

" مولف (جلال) ہیچمداں کے نزدیک ہمزہ کا ایک عدد لینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا ۔ غلط بلکہ اغلط ہے کہ مورخین ثقات نے کبھی ہمزہ کا کوئی عدد تاریخ میں نہیں لیا" ۔

(افادۂ تاریخ ، ص ۲۸)

یہی نقطہ نظر حکیم میر مہدی حسین الم ، صاحبِ "گلبن تاریخ" کا بھی ہے ، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

" اہلِ جمل نے اس (ہمزہ) کے لیے کوئی عدد مقرر نہیں کیا اور نہ یہ حروف ابجد میں داخل ہے ۔ پس تاریخ میں اس کا کوئی عدد نہ لیا جائے بلکہ بجائے حرکت تصور کریں" ۔

(گلبن تاریخ ، ص ۶)

مندرجۂ بالا اقوال کے پیشِ نظر یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمزہ کا کوئی عدد یا اعداد شمار کرنے کے متعلق جتنی آرا ہیں وہ سب باطل اور قطعی غلط ہیں اور جو لوگ ان آرا کی بنیاد پر ہمزہ کے عدد شمار کرتے ہیں ، ان کی کہی ہوئی تاریخیں یقیناً غلط ہوتی ہیں ۔ مثلاً ماضی قریب کے ایک صاحبِ علم شاعر جناب ضیاء الحسن موسوی نے معروف خطیب و عالم ، خطیبِ پاکستان حضرت علامہ رشید ترابی مرحوم کی تاریخ انتقال مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ کے انداز میں یوں کہی :

اک گل بے رنگ ہے یا گوہر بے آب ہے

۲۱ ۵۰ ۲۸۲ ۱۵ ۱۱ ۲۳۱ ۱۵ ۱۵ = ۶۴۰

طورِ سیناء بے کلیم اللہ منبر بے رشید

۲۱۵ ۱۲۲ ۱۲ ۱۹۶ ۲۹۲ ۱۲ ۵۱۴ = ۱۳۳۳

= ۱۹۷۳ء

اس میں انھوں نے سیناء کے ہمزہ کا ایک عدد شمار کرلیا ہے جو اصول تاریخ گوئی کے خلاف ہے اور جو لوگ جانتے ہیں کہ ہمزہ کا کوئی عدد محسوب نہیں ہوتا، وہ اس شعر سے جب تاریخ نکالیں گے تو ایک سال کم ہو جائے گا، کیونکہ ہمزہ کا عدد نکال دینے سے ۱۹۷۲ء عدد رہ جائیں گے اور وہ اسی کو علامہ رشید ترابی کی صحیح تاریخ وفات سمجھ لیں گے حالانکہ ان کا انتقال ۱۹۷۳ء میں ہوا تھا۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ خود مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہ نے میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ کی تاریخ وفات میں سیناء کے ہمزہ کا عدد شمار نہیں کیا تھا۔ ملحوظ رہے کہ میں نے یہ تاریخ صرف اپنی یادداشت کے سہارے لکھی ہے، کوئی ماخذ سامنے نہیں ہے مگر یہ بات یقینی ہے کہ اس میں سیناء کے ہمزے کا ایک عدد شمار کیا گیا تھا اس لیے کہ یہ بات اسی وقت سامنے آگئی تھی اور اعتراض ہو گیا تھا۔

البتہ ایک صورت میں ہمزہ کے دس عدد ضرور شمار کیے جاتے ہیں جس کی طرف میں اس بحث کی ابتدا میں اشارہ کر چکا ہوں۔ وہ صورت یہ ہے کہ جن الفاظ میں دو یائیں (ی + ی) ایک ساتھ اور ایک دوسرے سے متصل آجاتی ہیں تو کتابت میں ثقل اور تلفظ میں تنافر صوتی سے بچنے کے لیے پہلی یا (ی ۔ ے) کے بجائے ایک دندانہ یا شوشہ بنا کر اس پر ایک ہمزہ بنا دیتے ہیں۔ مثلاً ک ی ی کے بجائے ک ء ی (کئی)، گ ی ی کے بجائے گ ء ی (گئی)، ک ی ے کے بجائے ک ء ے (کئے)، گ ے ے کے بجائے گ ء ے (گئے)، خ د ا ی ی کے بجائے خ د ا ء ی (خدائی)، آ ی ی کے بجائے آ ء ی (آئی) اور ل ا ی ی کے بجائے ل ا ء ی (لائی) وغیرہ لکھتے ہیں۔ ایسے تمام الفاظ میں ہمزہ ی یا ے کی جگہ لکھا جاتا ہے گویا وہ ی یا ے کا قائم مقام ہوتا ہے اور اصطلاح میں اسے یائے وقایہ کہتے ہیں۔ اس لیے ی یا ے کے اعداد کے برابر

ایسی ہمزہ کے دس عدد شمار کیے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت جلال کا قول ہے:

"یائے معروف جس پر ہمزہ یعنی خط منحنی لکھ دیتے ہیں، عربی کی ہو خواہ فارسی کی، خواہ ہندی کی، اس کے بیس عدد لیے جائیں گے، اس لیے (کہ) جب کسرۂ ماقبل اس کا اشباع پائے گا، وہ دوسری "یا" (ی ــ ے) ہو جائے گا اور کتابت بھی دو یایوں (ی + ی) سے ہونا چاہیے جیسے مائی، ہوائی، خدائی، رہائی، آئی، بنائی، دکھائی، گئی، کئی بمعنی چند، نئی بمعنی نو ہوئی وغیرہ کی یائے معروف کے بیس عدد لیے جائیں گے"۔

(افادۂ تاریخ، ص ۱۳)

جناب شوکت الہ آبادی نے "معاون تواریخ" میں لکھا ہے کہ حروفِ تہجی میں ہمزہ کوئی مستقل حرف نہیں ہے بلکہ ایک خط منحنی کا نام ہے جو صرف حروفِ علت واؤ یا یائے تحتانی (ہائے تحتانی سہو کتابت ہے) کی اشباع حرکت سے پیدا ہوتا ہے اور حرکت کا قائم مقام ہے۔ اس لیے اس کا عدد نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس حرفِ علت کی عدد لیے جائیں گے جس پر ہمزہ ہے۔ ان کی اس تحریر سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حروف علت یعنی الف، واؤ اور یا (ی) پر اگر ہمزہ ہو تو اس کے عدد اس حرف علت کے اعداد کے برابر شمار کیے جائیں گے۔ اگر ان کا مطلب واقعی یہی ہے تو یہ قول درست نہیں ہے۔ حروفِ علت یعنی الف واؤ اور یا (ی) میں سے صرف یا (ی) کی قائم مقامی پر ہمزہ کے دس عدد محسوب ہوتے ہیں۔ الف اور واؤ پر اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جناب شوکت الہ آبادی نے اپنی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے:

"عربی قواعد میں ہمزۂ اصلی بجائے خود جزو کلمہ بن جاتا ہے اور ایک مستقل حرف کی صورت اختیار کر لیتا ہے جیسے جاء، یشاء۔ اس کا نام ہمزۂ اصلی ہے اور چونکہ یہ الف کی آواز دیتا ہے اس لیے اس کا ایک عدد لیا جائے گا۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی نے بادشاہ

فرخ سیرؔ کا سال جلوس اس آیت سے نکالا ہے ۔" یورثھا من یشاء " ۔
اس مادہ تاریخ میں ہمزۂ اصلی کا ایک عدد شمار کیا گیا ہے اور اس
طرح سن جلوس ۱۱۲۴ھ حاصل کیا گیا ہے"۔

(معاون تواریخ، ص ۱۹)

جناب شوکت الہ آبادی کی یہ دلیل اساتذۂ فن کے اقوال کی روشنی میں قابل قبول نہیں ہے جن کے پیش نظر مذکورہ مادۂ تاریخ بھی تھا جس میں ہمزہ کا ایک عدد شمار کرنے کو انھوں نے غلط قرار دیا، چنانچہ معروف ماہرین تاریخ گوئی مثلاً مولانا قدر بلگرامی، ولا حیدر آبادی اور تسلیم سہسوانی جن کو خود شوکت صاحب نے امام فن لکھا ہے اور دوسرے اساتذۂ فن نے بھی اسے غلط قرار دیا ہے ۔ جناب کسریٰ منہاس نے " فن تاریخ گوئی " (ص ۵۴) پر لکھا ہے کہ ان حضرات کے بقول یہ مادۂ تاریخ غلط ہے اور ہمزہ کو بضرورت علامہ واسطی نے اعداد میں شمار کرلیا ہے ۔ صاحبِ عزائب الجمل نے بھی یہی اعتراض کیا ہے ۔

جناب شوکت الہ آبادی کی یہ دلیل بھی قاعدۂ جمل کے خلاف ہے کہ چونکہ ہمزۂ اصلی الف کی آواز دیتا ہے اس لیے اس کا ایک عدد لیا جائے گا ۔ گذشتہ ساری بحث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ قاعدۂ جمل اور تاریخ گوئی میں حروف مکتوبی کا اعتبار کیا جاتا ہے، حروفِ ملفوظی کا نہیں ۔ ہمزہ میں الف کی آواز ملفوظی ہے، الف مکتوبی نہیں ۔ آواز اور حرف ملفوظی غیر مکتوبی کو قاعدۂ جمل میں شمار نہیں کیا جاتا اور اس کا کوئی عدد نہیں لیا جاتا ۔ اس لیے اس ہمزہ کا ایک عدد شمار کرنے کے بارے میں ان کی یہ دلیل بھی درست نہیں ہے ۔

مندرجۂ بالا بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ علماء اور فقراء وغیرہ میں بھی جہاں جہاں الف کے بعد ہمزہ آتا ہے، اس ہمزہ کے عدد شمار نہیں کیے جاتے ۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں ۔

اسی طرح اگر بقول شوکت الہ آبادی صاحب واؤ کے ہمزہ کو جیسے لکھنؤ،

رؤف، طاؤس اور ماؤف وغیرہ میں ہے، مستقل حرف سمجھ کے اس کے اعداد محسوب کیے جائیں تو یہ اصول تاریخ گوئی کے خلاف اور صریحاً غلط ہوگا اس لیے کہ کتابت میں صرف ایک واؤ آیا ہے، لہٰذا صرف ایک واؤ کے عدد محسوب ہوں گے۔

ہمزہ کے استعمال کے ذیل میں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ ہمزۂ اضافت کا بھی کوئی عدد شمار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً نسخۂ کیمیا، جملۂ معترضہ، حجلۂ عروسی، جادۂ حق، اور تحفۂ عید وغیرہ میں جو ہمزۂ اضافت ہے، وہ بھی کوئی مستقل حرف نہیں ہے، اس لیے اس کا کوئی عدد نہیں لیا جائے گا۔

اسی طرح متقدمین اور متوسطین ان لفظوں کو جن کے آخر میں الف یا واؤ آتا ہے، مضاف کرنے کے لیے ہمزہ استعمال کرتے تھے۔ مثلاً "گلزار داغ" کی تاریخ جلال نے یوں کہی، "بوء گلزار داغ آئی آج"۔ اسی طرح احیاء سخن، کوء یار اور سوء بہشت وغیرہ لکھتے تھے، مگر اس ہمزۂ اضافت کا عدد شمار نہیں کرتے تھے۔ جلال نے گلزار داغ کی تاریخ میں بھی ہمزہ کا کوئی عدد نہیں لیا۔ اب یہ طرز کتابت متروک ہے اور اضافت کے لیے اب ہمزہ کے بجائے یائے مجہول لکھی جاتی ہے جیسے احیائے سخن، بوئے گلزار، کوئے یار اور سوئے بہشت وغیرہ اور اس یائے مجہول کے مکتوبی ہونے کی بنا پر دس عدد شمار کیے جاتے ہیں۔

جناب کسریٰ منہاس نے اپنی کتاب "فن تاریخ گوئی" میں ہمزہ کے استعمال اور اس کی کتابت کے مختلف طریقوں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے مگر بحث عربی قاعدوں کے حوالوں اور بہت زیادہ تکنیکی ہونے کی وجہ سے عام فہم نہیں رہی اور آج کے عام قاری خصوصاً مبتدی تاریخ گو شعرا کے لیے اس کا سمجھنا اور اس سے استفادہ کرنا مشکل ہے۔ بہرحال ساری بحث کا لب لباب یہی ہے کہ ہمزہ کوئی مستقل حرف نہیں ہے بلکہ صرف ایک حرکت کا نام ہے اس لیے حساب جمل میں اس کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جاتا۔ انھوں نے اس مسئلے پر تسلیم سہسوانی، صاحب "ملخص تاریخ" کی رائے بھی نقل کی ہے اور اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمزہ حروف ابجد میں شامل

نہیں ہے ۔اس لیے سوائے مذکورہ بالا صورت کے یعنی جب وہ یا (ی) کے قائم مقام کے طور پر لکھا جائے ، کسی دوسری صورت میں اس کا کوئی عدد محسوب نہیں ہوتا ۔ اس کے علاوہ انھوں نے قدر بلگرامی صاحبِ قواعد العروض کا قول بھی نقل کیا ہے جو اسی اصول کی تائید میں ہے ۔جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا نقطہ نظر بھی یہی ہے ۔

بعض اساتذۂ قدیم نے بیشک اس اصول سے انحراف کیا ہے ، مگر متقدمین سے متاخرین تک کی اکثریت اسی کی تائید کرتی ہے ۔ میں اس مسئلے پر اساتذہ کے اقوال نقل کر کے بحث کو خواہ مخواہ طول دینے اور قارئین کے ذہن کو الجھاوے میں ڈالنا نہیں چاہتا ۔اس لیے ان سے صرفِ نظر کر رہا ہوں ۔

ہمزہ کے اس مسئلے پر جتنی بحث مذکورہ بالا سطور میں کی گئی ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ جب ہمزہ "یا" (ی) کے قائم مقام کے طور پر ایک دندانہ یا شوشے کی شکل پر بنایا جائے گا، خواہ دوسری "یا" (ی) سے متصل ہو یا نہ ہو، تو اس کو حقیقتاً "یا" (ی) سمجھا جائے گا اور اس کے دس عدد محسوب کئے جائیں گے اور کسی دوسری صورت میں ہمزہ کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جاسکتا ۔

ایسی چند لفظیں جن میں ہمزہ "یا" (ی) کے قائم مقام کے طور پر ایک دندانہ یا شوشے پر بنایا جاتا ہے اور تلفظ میں "یا" (ی / ے) کی آواز دیتا ہے اور اس کے دس عدد محسوب کیے جاتے ہیں ، درج ذیل ہیں جن سے یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے گا :

(۱) گدائی، خدائی، صحرائی، دریائی، آئی، پائی، لائی، سنائی، دکھائی، بینائی، اور مینائی وغیرہ ۔

(۲) گئی، کئی، اور نئی وغیرہ

(۳) بوئی، روئی، سوئی، دھوئی، کھوئی، سموئی، پروئی، کوئی، گوئی، اور چبھوئی وغیرہ ۔

ایسے تمام الفاظ میں ہمزہ کے دس اور یائے مابعد (بعد والی ی) کے دس عدد

لیے جائیں گے۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایسے تمام الفاظ میں ہمزہ سمیت "یا" (ی) کے بیس عدد محسوب ہوں گے۔

(۴) اسی طرح گئے، کیے، لیے، دیے، نئے، جیئے، اور کیجیئے، لیجیئے اور دیجیئے وغیرہ میں بھی "یا" کے بیس عدد محسوب ہوں گے، یعنی دس عدد ہمزہ کے بطور "یا" (ی) کے قائم مقام کے اور دس عدد آخری یائے ساکن کے۔

ملحوظِ خاطر رہے کہ حضرت جلال یائے معروف کے دس عدد کے ساتھ اس پر بنے ہوئے ہمزہ کے دس عدد بھی محسوب کرنے کا حکم تو دیتے ہیں، مگر یائے مجہول پر بنے ہوئے ہمزہ کا عدد شمار کرنا غلط قرار دیتے ہیں۔ یائے معروف کے متعلق ان کا قول اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ یائے مجہول کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ:

"یائے مجہول کے عدد خواہ اس پر ہمزہ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے، دس عدد لیے جائیں گے جیسے لفظ جاے ...... خواہ یہ سب الفاظ بروزن فاع و فعول پڑھے جائیں خواہ بروزن فعلن و فعولن آئیں اور کتابت بھی اس یا (ے) کی ایک یا (ے) سے چاہیے ہے"۔

(افادۂ تاریخ، ص ۲۹)

یائے مجہول کے بارے میں ان کی رائے پر بحث آگے چل کر کی جائے گی۔ یہاں اس حوالے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یائے مجہول ہمزہ دار کے صرف دس عدد محسوب کرنے کا حکم دینے کے باوجود ان الفاظ میں جن میں یائے مجہول سے پہلے ہمزہ "یا" کے قائم مقام کے طور پر ایک دندانہ یا شوشے پر بنا ہو مثلاً کیے، گئے، سیئے، دیئے، لیئے، جیئے یا کیجیئے، دیجیئے، لیجیئے وغیرہ میں ان کے نزدیک بھی یائے مجہول کے بیس عدد محسوب کرنا چاہیے، دس عدد ہمزہ کے "یا" کے قائم مقام کے طور پر اور دس عدد آخری یائے ساکن کے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" لفظ کیجیئے، دیجیئے اور دیئے، جیے، کیے، گئے، نئے کی یائے

مجہول کے بیس عدد لیے جائیں گے ۔ اس واسطے کہ یہ بولی بھی مکرر جاتی ہے اور کتابت میں بھی مکرر آتی ہے"۔

(افادۂ تاریخ، ص ۲۹)

یائے معروف با ہمزہ کی مزید مثالیں جن میں ہمزہ کو یا (ی/ ے) کا قائم مقام قرار دے کر اس کے دس عدد محسوب کیے جاتے ہیں:

(۵) آئینہ، آئین، تزئین، تائید، تمیز، رئیس اور سیئس وغیرہ میں بھی "یا" کے بیس عدد محسوب ہوں گے یعنی دس عدد ہمزہ کے اور دس عدد دوسرے یائے ساکن کے، البتہ آئینہ اگر بروزن مفعولن ہوگا تو اس کی "یا" کے بیس عدد شمار ہوں گے اور اگر بروزن فاعلن ہوگا تو صرف دس عدد محسوب ہوں گے ۔ اس لیے کہ اس صورت میں وہ صرف ایک "یا" کے ساتھ لکھا جائے گا۔

(۶) قائم، دائم، صائم وغیرہ

(۷) قائل، مائل، سائل، حائل، مسائل، وسائل، رسائل اور لاطائل وغیرہ

(۸) جائز، فائز، جائزہ و فائزہ وغیرہ

(۹) تائب، صائب، عجائب، غرائب وغیرہ

(۱۰) لطائف اور وظائف وغیرہ

(۱۱) زائد، شائد، قائد اور عائد وغیرہ

(۱۲) صنائع، بدائع اور ذرائع وغیرہ

(۱۳) ذائقہ، مضائقہ، لائقہ، فائقہ اور شائق و لائق وغیرہ

(۱۴) عنائت، رعائت، شکائت وغیرہ

(۱۵) زائر، غائر اور دائر یا دائرہ وغیرہ

(۱۶) آرائش، زیبائش اور نمائش وغیرہ

ایسے سیکڑوں الفاظ ہیں جن میں ہمزہ بجائے یا (ی) کے اس کے قائم مقام کی حیثیت سے لکھا جاتا ہے اور ایسے سارے الفاظ میں ہمزہ کے دس عدد شمار کیے جاتے

ہیں ۔ جو لوگ اس اصول سے صرفِ نظر کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور ان کی کہی ہوئی تاریخیں صحیح نہیں ہوتیں ۔ مثلاً جناب شائق زیدی نے ماضی قریب کے ایک بڑے مرثیہ گو شاعر حضرت نسیم امروہوی کی تاریخ انتقال یوں کہی:

" اے شائق اب نسیم چلے مرثیہ چلا"

اس مادۂ تاریخ سے انھوں نے ۱۴۰۷ عدد محسوب کیے حالانکہ اس کے صحیح اعداد ۱۴۱۷ ہوتے ہیں ۔ انھوں نے خود اپنے تخلص " شائق " میں ہمزہ کے عدد شمار نہیں کئے حالانکہ اس میں ہمزہ یا (ی) کا قائم مقام ہے ۔ اس طرح تاریخ گوئی کو ان کا تخلص " شاق " ہو گیا اور حساب میں دس سال کا فرق پڑ گیا جس سے تاریخ غلط ہو گئی ۔ اسی طرح جناب حیدر مہدی رضوی نے حضرت فیض بھرت پوری کے انتقال پر تاریخ کہی:

" زیب مجلس کے لئے فیض بھرت پوری بن"

اور اس میں "لئے" کے چالیس عدد لیے ، حالانکہ پچاس عدد لینا چاہیے تھے ۔ اس طرح مطلوبہ سن ۱۹۸۹ء کے بجائے اس مصرع سے ۱۹۹۹ء برآمد ہوتا ہے ۔ جناب شاہد نقوی نے حضرت سید سبط حسن انجم کی تاریخ وفات حسبِ ذیل مصرع سے نکالی:

" سو گئی خوانندگی کی شمع ، انجم بھی گئے"

اس مادہ سے انھوں نے ۱۴۱۸ عدد حاصل کیے ، حالانکہ اس کے اعداد قاعدۂ جمل سے ۱۴۳۸ ہوتے ہیں ۔ یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے نے بھی گئی اور گئے کے تیس ، تیس عدد شمار کیے جو اصول تاریخ گوئی اور حسابِ جمل کے خلاف ہیں اور اس لیے غلط ہیں اسی طرح جناب نصیر ترابی نے حضرت نسیم امروہوی کی تاریخ انتقال میر انیس کے اس مصرع میں تصرف کر کے نکالی:

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے

انھوں نے نویدِ زندگی کے بجائے نویدِ جاوداں کہا جس کی معنویت محل نظر ہے ، مگر یہ میرے موضوع سے خارج ہے ۔ اس مصرع میں انھوں نے لائی کے ۴۱ اور لئے کے

۴۰ عدد محسوب کیے، حالانکہ قاعدۂ جمل سے لائی کے ۵۱ اور لیئے کے ۵۰ عدد ہوتے ہیں۔ اس طرح اس مصرع سے مطلوبہ سن ۱۹۸۷ء کے بجائے ۲۰۰۷ حاصل ہوتا ہے اور سال انتقال بیس برس آگے بڑھ جاتا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ "لے" کے اعداد چالیس ہوتے ہیں جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ "لے" اور "لیئے" میں بین فرق ہے۔ "لے" بروزن فع ہے جو عروض کے اعتبار سے سبب خفیف پر مشتمل ہے اور "ل" اور "ے" سے مل کر بنا ہے۔ یہ صرف دو حرف ہیں اور ان کے مجموعی اعداد "ل" کے تیس اور "ی" کے دس مل کر (۳۰+۱۰) چالیس ہوتے ہیں جبکہ "لیئے" بروزن فعل ہے جو وتد مجموع پر مشتمل ہے اور تین حروف ل + ی + ے سے مل کر بنا ہے۔ اس میں پہلی یا (ی) کو کتابت میں ایک ہمزہ دار شوشے سے بدل دیا گیا ہے جو حقیقتاً یائے وقایہ ہے۔ اس طرح اس کے تین حروف ل ہمزہ (ی) ے کے مجموعی اعداد ل کے ۳۰ + ہمزہ بجائے یا (ی) کے، ۱۰ + ے کے ۱۰ مل کے ۵۰ ہوتے ہیں۔ اس لیے "لے" اور "لیئے" کو ہم وزن اور ہم عدد قرار دینا غلط ہے۔ اسی طرح "کے" اور "کیئے"، دے اور دیئے اور گے اور گئے وغیرہ کو آپس میں ہم عدد اور ہم وزن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مصرعۂ تاریخ سے جب مستقبل کا قاری یا محقق حضرت نسیم امروہوی کے انتقال کا حساب لگائے گا تو ۱۹۸۷ء کے بجائے ۲۰۰۷ کو ان کا سال رحلت سمجھے گا اور گمراہ ہوجائے گا۔

اسی طرح جناب نصیر ترابی نے عالمی شہرت یافتہ خطاط اور مصور صادقین مرحوم کی تاریخ غالب کے مصرع میں تصرف کر کے اس طرح نکالی:

نقش	قدح	سے	بزم	چراغاں	کئے	ہوئے
۴۵۰	۱۱۲	۷۰	۴۹	۱۲۵۵	۳۰	۲۱

= ۱۹۸۷ء

اصل مصرع میں "جوش قدح" ہے نہ کہ نقش قدح۔ یہاں بھی انھوں نے یہی کیا کہ "کئے" کے ۳۰ عدد شمار کیے، حالانکہ اس کے ۴۰ عدد ہوتے ہیں۔ اس طرح مصرع کے

نائی ، کائی ، بھائی وغیرہ یا بوئی ، ہوئی ، کھوئی ، ڈوئی وغیرہ بہ اشباع تلفظ واو جیسے روئی ، موئی ، بوئی (بروزن فعل) موئی ، روئی ، سوئی وغیرہ ان لفظوں میں دو تحتانیاں رسم الخط میں داخل ہیں ۔ لہذا " ہوئی " کے لفظ نے کیا خطا کی ہے کہ اس قاعدہ کے خلاف لکھیں اور ایک تحتانی سے محروم کر کے اس کے اعداد جمل بھی کم کر دیں "

(فن تاریخ گوئی ۔ ص ۱۰۰)

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ جو لوگ آئی لائی ، ہوئی اور گوئی وغیرہ میں ایک یا (ی) شمار کر کے اس کے صرف دس عدد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں ۔ اسی لیے میں نے حضرت رئیس امروہوی کی کہی ہوئی تاریخ " نور عصر مرثیہ گوئی " کو غلط قرار دیا جس میں انھوں نے " گوئی " کی یائے تحتانی ہمزہ دار کے صرف دس عدد محسوب کیے جو اصول تاریخ گوئی کے خلاف ہے ۔ اس سلسلے میں بعض اساتذہ کی مثالیں بھی درج ذیل ہیں جو اس اصول کی تائید کرتی ہیں ۔

۱ ۔ حضرت صفی لکھنوی ، " ہوئی ہے مسجدِ نو نادر الزماں تعمیر " (۱۳۱۳ ھ)

۲ ۔ حضرت جلال لکھنوی ، " آج رشکِ جشنِ جم بزم طرب آئیں ہوئی " (۱۲۸۲ ھ)

۳ ۔ حضرت شاد لکھنوی پیر و میر " گل ہوئی شمع مرثیہ گوئی " (۱۲۹۲ ھ)

۴ ۔ حضرت کمال لکھنوی ۔ " گل ہوئی شمع خاندان انیس " (۱۳۱۸ ھ)

ان تمام مثالوں میں " ہوئی " " گوئی " میں یائے تحتانی معہ ہمزہ بیس بیس عدد شمار کیے گئے ہیں ۔

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب " ہوئی " کی جمع بنائی جائے گی تو اس میں بھی دو تحتانیاں شمار ہوں گی اور اس کا املا " ہوئیں " ہو گا اور اس کے ۸۱ عدد محسوب ہوں گے ۔ پس اگر کوئی " ہوئیں " کو ایک " یا " (ی) سے " ہویں " لکھ کر اس کے ۷۱ عدد شمار کرے تو وہ غلطی کرے گا ۔ اسی طرح " گئی " کی جمع " گئیں " کے

اعداد ۹۰ شمار ہوں گے یعنی " گیَ (۴۰) نون (۵۰) = ۹۰ ۔ جناب کوثر نقوی نے معروف شاعرہ پروین شاکر مرحومہ کی تاریخ انتقال " آگئیں پروین شاکر دامن فردوس میں " کے مادہ میں " گئیں " کے ۸۰ عدد لیے ہیں جو اصول تاریخ گوئی اور قاعدۂ جمل کے خلاف ہے ۔ اس لیے غلط ہے ۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بعض لفظوں میں تین یائیں (ی + ی + ے) بھی ایک ساتھ آتی ہیں ۔ پہلی اور تیسری یا (ی) کی طرح اور دوسری یا یعنی درمیانی یا شوشہ یا دندانے پر بنی ہوئی ہمزہ کی شکل میں ۔ جیسے فرمایئے (ف ر م ا ی ء ے) یا فرمائی + ے یا منگوایئے (م ن گ و ا ی ء ے) یا منگوائی + ے ۔ ایسے تمام لفظوں میں ہمزہ اور دونوں یایوں کے اعداد تین یایوں کے برابر تیس شمار کیے جائیں گے ۔

۵ ۔ ہمزہ اور یائے مجہول

ہمزہ کی اس بحث کی ابتدا میں میں نے حضرت جلال کا قول نقل کیا ہے جنھوں نے اس اصول کے اطلاق کی یائے معروف (ی) کے ساتھ تخصیص کی ہے یعنی وہ یائے معروف جس پر ہمزہ لکھا جاتا ہے اس کے بیس عدد لیے جائیں گے ۔ جہاں تک یائے مجہول (ے) کا تعلق ہے ، وہ اس اصول کا اطلاق اس پر جائز نہیں سمجھتے ۔ اس مسئلہ میں اساتذہ میں اختلاف ہے ۔ چنانچہ " افادۂ تاریخ " میں وہ لکھتے ہیں :

> " یائے مجہول کے عدد خواہ اس پر ہمزہ لکھا جائے خواہ نہ لکھا جائے دس عدد لیے جائیں گے جیسے لفظ جائے .... خواہ یہ سب الفاظ بروزن فاع و فعول پڑھے جائیں خواہ بروزن فعلن و فعولن آئیں اور کتابت بھی اس " یا " (ے) کی ایک " یا " سے چاہیے ۔ "

مگر حضرت الم نے اس سے اختلاف کیا ہے ۔ وہ یائے معروف ہمزہ دار کے اصول کا اطلاق یائے مجہول پر بھی ضروری سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ جلال پر اعتراض کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

> " حکیم میر ضامن علی جلال نے یائے ہمزہ دار کے بیس عدد

ملکِ خدا تنگ نیست

مصرع اولیٰ میں " پائے " میں یائے مجہول بلا اشباع ہے :

بجائے بزرگان نشستن خطاست

اس مصرع میں " بجائے " کی یائے مجہول باشباع ہے ۔ لیکن یہ اشباع صرف تلفظ میں ظاہر ہوگا ۔ یعنی کسرہ کھینچ کر پڑھا جائے گا ۔ کوئی مکتوبی علامت شوشہ وغیرہ یائے مذکور پر نہ دیا جائے گا اور مشبع و غیر مشبع دونوں یائیں ایک ہی طرح لکھی جائیں گی ۔ کثرتِ رائے اسی قول کی موئید ہے اور جلال نے اپنے رسالہ افادۂ تاریخ میں اسے قول فیصل قرار دیا ہے " ۔

(فن تاریخ گوئی ، ص ۴۷ / ۴۹)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ آے ، جاے ، کھاے اور اسی طرح کے بہت سے الفاظ کا ہمزہ محسوب نہ ہوگا کہ ان میں اس کی حیثیت نہ حرفِ زائد کی ہے اور نہ اس کے لیے کوئی شوشہ یا دندانہ استعمال کیا گیا ہے (فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت ، ص ۱۰) ۔

مندرجۂ بالا بحث سے جلال کا قول صحیح ثابت ہوتا ہے اور اس کو الم کے قول پر ترجیح ہے ۔ چنانچہ یائے مجہول ہمزہ دار کے لیے صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ خواہ وہ باشباع ہو یا بلا اشباع ، ہر حالت میں اس کے صرف دس عدد محسوب کیے جائیں گے ۔

جناب کسریٰ منہاس نے یائے مجہول باہمزہ کے متعلق جناب حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی کے نقطہ نظر کی تائید تو کی اور بالکل درست اور بہت خوب کی ۔ مگر جس طرح بعض تاریخ گو حضرات اپنی ضرورت کے مطابق مادۂ تاریخ کے اعداد پورے کرنے کے لئے کسی خاص حرف کے عدد اس کے معینہ اعداد کے خلاف محسوب کر لیتے ہیں ، مثلاً الف ممدودہ کے ایک کے بجائے دو عدد لینا ، اسی طرح یائے مجہول کے اصول میں استثناء کرنے کی تجویز بھی پیش کر دی ۔

اس مسئلے میں مجھے جناب کسریٰ منہاس کے اس نقطہ نظر سے بہرحال اختلاف ہے کہ اگر کبھی کوئی سخت ضرورت اس قسم کی پڑجائے کہ کوئی عمدہ مادۂ تاریخ یائے مجہول مشبع کے بیس عدد شمار کرنے سے کسی اردو لفظ میں پورا ہوتا ہو تو ایسی حالت میں یائے مجہول مشبع کو اردو لفظ میں شوشے دار لکھنا جائز سمجھا جائے گا اور اسے گویا Poetical Licence (اجازۂ شعری) سمجھنا چاہیے ۔ اگر اس قسم کے Poetical Licence یا اجازۂ شعری کو جائز قرار دے دیا جائے تو تاریخ گوئی غیر معتبر ہوجائے گی اور قاری یا محقق قاعدۂ جمل سے تاریخ کا حساب لگاکر کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے گا اس لیے کہ اسے یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ تاریخ گو نے کس حرف کے کہاں پر کتنے عدد شمار کیے ہیں ۔ میری اس تالیف کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے کہ جن حروف کے بارے میں اختلاف ہے ان کا تنقیدی جائزہ لے کر اور مفصل بحث کر کے مستقل طور پر ہر حرف کا صرف ایک حتمی عدد مقرر کر دیا جائے تاکہ تاریخ گوئی کی الجھنوں اور امکانی غلطیوں کو دور کیا جاسکے ۔ Poetical Licence یا اجازۂ شعری کے نام پر ایسی الجھنوں اور غیر یقینی صورتِ حال میں اضافہ ہوگا اور ہر شاعر کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنی سہولت کے مطابق ایک یائے مجہول ہی کیا ، کسی بھی حرف کے عدد خود معین کرلے ۔ اس طرح تاریخ گوئی بھی ایک طرح کی ادبی طوائف الملوکی ہوجائے گی اور یہ فن ناقابل اعتبار ہوجائے گا ۔

○ ۶ ۔ یائے معروف مشدّد

ایک اختلاف یائے معروف مشدّد کے بارے میں بھی ہے جو نبیّن اور وصیّن وغیرہ میں آتی ہے جیسے خاتم النبیّنؐ اور سیّد الوصیّنؑ وغیرہ ۔

جلال کا کہنا ہے کہ لفظ نبین اور وصین وغیرہ میں ایک " یا " کے عدد تاریخ میں لیے جائیں گے کہ ان الفاظ کے رسم الخط میں مکتوبی ایک ہی " یا " ہوتی ہے چنانچہ خاتم النبیّنؐ کے ۱۱۸۴ اور سیّد الوصیّنؑ کے ۲۹۱ عدد تاریخ میں لینا چاہیے ۔ جلال نے

چونکہ اپنے اس موقف کے بارے میں کوئی دلیل نہیں دی ، اس لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کس قاعدہ کی بنا پر انھوں نے یہ حکم لگایا ہے ۔ یقیناً ان کے پاس کوئی مستحکم دلیل ہوگی مگر وہ ہمارے پیش نظر نہیں ہے ۔ اس لیے بظاہر ان کا یہ نقطۂ نظر درست نہیں معلوم ہوتا ۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خود " افادۂ تاریخ" ص ۳۰ میں جہاں انھوں نے یہ بات لکھی ہے ، وہاں نبیّن اور خاتم النبیّنؐ کو تو ایک ایک " یا" کے ساتھ لکھا گیا ہے مگر وصیین اور سیدالوصیین کو دو یایوں کے ساتھ لکھا ہے اور کتابت کے اعتبار سے یہی بظاہر صحیح ہے چنانچہ نبین کو بھی دو یایوں کے ساتھ لکھنا چاہیے تھا ۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وصیین اور سید الوصیین کو دو یایوں کے ساتھ لکھنا کاتب کی غلطی ہے ۔ ایسا ہوسکتا ہے مگر کتابت کی تصحیح کے وقت حضرت جلال کی نظر خاص طور پر ان لفظوں پر ہونا چاہیے تھی اس لیے کہ ان کے موقف کا دار و مدار کتابت ہی پر ہے ۔ اب چونکہ وصیین اور سید الوصیینؑ دو یایوں کے ساتھ ہی چھپا ہے لہذا قاری کے لیے اسے صحیح سمجھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اگر اسے صحیح سمجھ لیا جائے تو پھر یہ بھی صحیح سمجھنا ہوگا کہ نبیین اور وصیین دونوں کو دو یایوں سے لکھنا چاہیے ۔

دوسری بات یہ کہ ایسی تمام لفظوں کی جمع بنانے کے لیے ی اور ن کا اضافہ کیا جاتا ہے ۔ مثلاً صدیق سے صدیقین ، صادق سے صادقین ، مرسل سے مرسلین اور کاذب سے کاذبین وغیرہ ۔ اس اصول کے پیش نظر نبیؐ اور وصی کی جمع بنانے میں بھی ایک ی اور ن کا اضافہ کیا جانا چاہیے ۔ بنا برایں نبیین اور وصیین دونوں میں ایک یائے اصلی اور ایک یائے اضافی جمع کی ، دو یائیں شمار ہوں گی ۔ اس کے علاوہ عربی عبارتوں میں جہاں یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں وہاں یہ دو یایوں ہی سے لکھے ہوئے ہوتے ہیں ۔

الم نے بھی جلال سے اختلاف کیا ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ نبی بتشدید یا (ی) بروزن فعیل مشتق ہے نبا یا نبو سے ۔ اس کے معنی خبر دہندہ یا عالی مراتب کے ہیں

اور اس کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ نبیئون آتی ہے اور جمع مذکر سالم کا اعراب حالتِ رفع میں واؤ کے ساتھ اور حالتِ نصب و جر میں " یا " کے ساتھ ہوتا ہے چونکہ یہاں نبی مضاف الیہ واقع ہوا ہے اور مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے اس لیے جمع " یا " اور نون کے ساتھ نبیین ہوئی ۔ پس نبیین میں اصل میں تین " یا " ہیں ، لیکن کتابت میں دو " یا " کا لکھا جانا ضروری ہے ورنہ کتابت غلط ہے ، علیٰہذا وصیین میں بھی ۔ پس ان الفاظ میں دو " یا " کے عدد لیے جائیں بنا برآں خاتم النبیین کے ۱۱۹۴ اور سید الوصیین کے ۲۷۱ ہوں گے ۔

امیر مینائی نے بھی اپنے نعتیہ دیوان " محامد خاتم النبیین " کے اس تاریخی نام میں " نبیین " میں ی کے ۲۰ عدد محسوب کیے ہیں ۔

مندرجۂ بالا بحث کا حاصل یہ ہے کہ خاتم النبیین اور سید الوصیین کو دو یاؤں ہی سے لکھنا چاہیے اور ان کے بیس عدد محسوب کیے جانا چاہیے یعنی خاتم النبینؐ کے ۱۱۹۴ اور سید الوصیین کے ۲۷۱ ۔

○ بعض حضرات کے ذہنوں میں لفظ " اللہ " کے اعداد کے متعلق بھی شک یا ابہام پایا جاتا ہے ۔ عام طور پر " اللہ " کے چھیاسٹھ عدد شمار کیے جاتے ہیں ، یعنی الف کا ایک پہلے لام کے ۳۰ اور دوسرے لام کے ۳۰ اور ہ کے ۵ ۔ یہی درست بھی ہے ۔ مگر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ لفظ " اللہ " میں دو لام نہیں ہیں ، صرف ایک لام مشدد ہے اور حرفِ مشدد ملفوظی ہوتا ہے ، مکتوبی نہیں ۔ اس لیے لفظ " اللہ " میں صرف ایک لام کے عدد شمار کیے جانا چاہیے ۔ مگر یہ خیال درست نہیں ہے ۔ حقیقت میں " اللہ " میں دو لام مکتوبی ہیں جیسا کہ اس مشہور مصرع میں کہا گیا ہے ۔ " اللہ بود یک الف و ہاو دو لام " چنانچہ شیخ محقق طوسی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ " اللہ " میں دوسرا لام باعتبار تلفظ کے نہیں لیا جاتا بلکہ باعتبار کتابت کے لیا جاتا ہے کہ مکتوبی ہے یعنی لام کے بعد جو ایک شوشہ سا رسم الخط فارسی و عربی میں لکھ دیا جاتا ہے اگر غور کیا جائے تو وہ شوشہ ہوتا ہے ، لیکن بہت مختصر سا ۔ اس کو دوسرا لام تصور کرلیا ہے ، گویا " للہ " سمجھ

لیا ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ شوشہ اس الف کی علامت ہے جو لام کے بعد ہے تو یہ درست نہیں ۔ اس لیے کہ وہ الف جو لام کے بعد ہے وہ ملفوظی ہے ، مکتوبی نہیں ۔ اس لیے یہ شوشہ سوائے لام کے اور کوئی حرف نہیں تصور کیا جاسکتا ۔ حقیقت میں بھی لفظ " اللہ " میں دو لام ہیں ۔ اس لیے کہ اصل میں یہ لفظ " الالہ " ہے اور عربی قاعدہ سے پہلے لام کو الف حذف کر کے دوسرے لام میں ادغام کر دیا ہے ۔ اس لیے لفظ " اللہ " کے ہمیشہ چھیاسٹھ عدد ہی محسوب کرنا چاہیے اور یہی صحیح ہے ۔ شیخ کے قول کی مندرجہ بالا تشریح جلال نے بھی کی ہے اور الم بھی ان کے موئید ہیں ۔

اس کے علاوہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد پر بھی علمائے جمل نے بہت بحث کی ہے ۔ کسی نے بسم اللہ کو الف کے اضافے کے ساتھ " باسم اللہ " لکھ کر الف کے عدد کا اضافہ کیا ۔ کسی نے " الرحمٰن " کو الف کے ساتھ " الرحمان " لکھ کر الف سمیت اس کے اعداد شمار کیے ۔ اس طویل بحث کو یہاں دہرانا ضروری نہیں ۔ کسی بھی حرف یا لفظ کے اعداد شمار کرنے کے لیے جمل کا یہ سنہری قاعدہ مدِنظر رکھنا چاہیے کہ جو حرف کتابت میں آیا ہے اس کے عدد شمار کرنا ضروری ہیں اور جو حرف کتابت میں نہیں آیا ہے ، فقط ملفوظی ہے ، اس کے اعداد شمار نہیں کیے جانا چاہیے ۔ پس اگر کوئی رحمٰن کو الف کے ساتھ رحمان لکھتا ہے تو الف کا ایک عدد شمار کرنا ہوگا ورنہ نہیں ۔

یہاں تک تاریخ گوئی کے مختلف مسئلوں اور اختلافی حروف پر بحث مکمل ہوئی ۔ میں نے ہر مسئلہ کا ضروری حد تک تفصیلی جائزہ لیا اور مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اساتذہ کے مختلف نقطہ ہائے نظر کے تنقیدی جائزے کے بعد ان پر محاکمہ کیا اور دلائل کی بنیاد پر کسی کو قبول اور کسی کو رد کر کے حتمی نتائج اخذ کیے تاکہ مختلف حروف کے اعداد کے بارے میں اختلافات ختم کر کے ہمیشہ کے لیے اس مسئلے کو حل کر دیا جائے اور اس سلسلے میں تاریخ گو شعرا کے تذبذب اور شکوک و شبہات اور الجھنوں کو ختم کر دیا جائے ۔ اب انھیں حتمی نتائج پر مبنی اردو کے تمام حروف تہجی کا

ایک نقشہ حروفِ ابجد کی ترتیب سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اس میں پہلے خانے میں حرف کا نام، دوسرے میں اس کی قسم اور تیسرے میں اس کا عدد درج ہے۔ اس طرح ان تین خانوں میں اوپر سے نیچے تک ہر حرف اور اس کی مختلف اقسام یا صورتوں کے اعتبار سے ان کے اعداد ایک نظر میں معلوم ہوجائیں گے۔ جہاں جہاں کوئی بات تشریح طلب محسوس ہوئی، اس کی وضاحت کردی جائے گی۔ یہ ایک حد تک ساری بحث کو مختصر کر کے دہرانے کا عمل ہے مگر اس سے قاری کو یہ فائدہ ہوگا کہ ہر چیز ایک نظر میں اس کے سامنے آجائے گی اور جس حرف کے متعلق اسے معلومات درکار ہوں گی وہ آسانی سے مل جائیں گی۔

حرف	اقسام	عدد	تشریح
الف	ا	۱	
	الف ممدودہ (آ)	۱	
	الف مقصورہ جیسے عیسیٰ، موسیٰ اور مصطفیٰ وغیرہ میں	X	قاعدہ یہ ہے کہ الف مقصورہ کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جاتا بلکہ یائے تحتانی کے دس عدد شمار کیے جائیں گے۔
	الف مقصورہ جیسے رحمٰن، اسحٰق اور ہٰمنا وغیرہ پر	X	ان میں بھی الف مقصورہ کا کوئی عدد شمار نہیں ہوگا۔
ب	بائے موحدہ	۲	
پ	بائے فارسی	۲	
ج	جیم تازی یا جیم عربی	۳	
چ	جیم فارسی	۳	
د	دال مہملہ یا دال غیر منقوطہ	۴	
ڈ	دال ہندی	۴	
ہ	ہائے ہوز یا ہائے مختفی	۵	

	ہائے مخلوطہ (ھ)	۵	ہائے ہوز یا ہائے مختفی جہاں کتابت میں آئے گی مثلاً کہ اور چہ میں وہاں اس کے پانچ عدد شمار ہوں گے ۔ خواہ آواز دے یا نہ دے ۔ جہاں کتابت میں حذف کردی جائے گی مثلاً کہ از کے بجائے کز لکھا جائے وہاں اس کا عدد شمار نہیں ہوگا ۔
و	واؤ	۶	
ز	زائے معجمہ	۷	
ژ	زائے فارسی یا زائے عجمی	۷	
ح	حائے حطی یا حائے مہملہ یا حائے غیر منقوطہ	۸	
ط	طائے حطی ، طائے مہملہ یا طائے غیر منقوطہ	۹	
ی	یائے معروف	۱۰	
ے	یائے مجہول	۱۰	
ک	کاف تازی ، کاف عربی یا کاف کلمن	۲۰	
گ	کاف فارسی یا کاف عجمی	۲۰	
ل	لام	۳۰	
م	میم	۴۰	
ن	نون	۵۰	
س	سین مہملہ ، سین غیر منقوطہ	۶۰	
ع	عین مہملہ ، عین غیر منقوطہ	۷۰	
ف	فا	۸۰	

ص	صاد مہملہ یا صاد غیر منقوطہ	۹۰	
ق	قاف قرشت	۱۰۰	
ر	رائے مہملہ ، رائے غیر منقوطہ یا رائے قرشت	۲۰۰	
ڑ	رائے ہندی یا رائے ثقیلہ	۲۰۰	
ش	شین معجمہ و شین منقوطہ	۳۰۰	
ت	تائے قرشت یا تائے مثناۃ فوقانیہ یا تائے طویل	۴۰۰	خواہ کسی صورت میں لکھی جائے اور چاہے لفظ کی ابتدا میں آئے یا درمیان میں یا آخر میں ۔
	تائے مدورہ موصولہ معہ مثناۃ فوقانیہ ۔ (گول ت معہ دو نقطوں کے (ۃ)	۴۰۰	
	تائے مدورہ موقوفہ یعنی گول ت بغیر نقطوں کے (ہ)	۵	جب تائے مدورہ بغیر نقطوں کے لکھی جائے گی ، وہ ہائے ہوز سمجھی جائے گی اور اس کے صرف پانچ عدد شمار ہوں گے ۔
ٹ	تائے ہندی یا تائے ثقیلہ	۴۰۰	
ث	ثائے مثلثہ	۵۰۰	
خ	خائے معجمہ یا خائے منقوطہ	۶۰۰	
ذ	ذال معجمہ و ذال منقوطہ	۷۰۰	
ض	ضاد معجمہ و ضاد منقوطہ	۸۰۰	
ظ	ظائے معجمہ و ظائے منقوطہ	۹۰۰	
غ	غین معجمہ و غین منقوطہ	۱۰۰۰	

حروفِ مخلوط ہندی

حرف	عدد	صورت	مثال
بھ	۷		
پھ	۷		
تھ	۴۰۵		
ٹھ	۴۰۵		
جھ	۸		
چھ	۸		
دھ	۹		
ڈھ	۹		
کھ	۲۵		
گھ	۲۵		
ہمزہ	۱۰	۱) شوشے یا دندانہ دار ہمزہ جو " یا" (ی) کے قائم مقام کے طور پر ہو۔	مثلاً کئے لئے، دئے گئے، گئی، کئی، نئی، لیجئے، دیجئے اور کیجئے وغیرہ میں ہمزہ کے دس عدد شمار کرنا لازم ہیں۔ اسی طرح فرمایئے، آجایئے، منگوایئے وغیرہ میں ہمزہ سمیت تین " یا" ہوتے ہیں جیسے فرمائی + ے اور منگوائی + ے وغیرہ ۔ اس صورت میں تین یائیں شمار ہوں گی اور ان کے تیس عدد محسوب ہوں گے۔
		۲) کسی اور صورت میں ہمزہ کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جائے گا۔	

حروف مکتوبی غیر ملفوظی	ہر وہ حرف جو کتابت میں آئے خواہ پڑھنے میں آئے یا نہ آئے اس کے عدد ضرور شمار کیے جائیں گے ۔	مثلاً خواب ، خوشی اور خودی میں واؤ لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔ بالکل میں الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا ہے عبدالرحمن اور عبدالرؤف میں ال لکھا جاتا مگر پڑھا نہیں جاتا مگر چونکہ لکھا جاتا ہے ۔ اس لیے اس کے عدد ضرور شمار ہوں گے ۔
حروف ملفوظی غیر مکتوبی	وہ حرف جو پڑھنے میں آئے مگر لکھنے میں نہ آئے اس کا کوئی عدد شمار نہیں کیا جائے گا۔	مثلاً حرف مشدد جو پڑھنے میں دوبار آتا ہے یا دو حرفوں کے وزن پر آتا ہے اور دوہری آواز دیتا ہے ۔ مثلاً محمدؐ میں دوسری میم ، مقید میں ی اور خرم میں ر یہ چونکہ کتابت میں ایک دفعہ آتے ہیں اس لیے صرف ایک ہی حرف شمار ہوں گے اور ایک ہی حرف کے اعداد محسوب ہوں گے

○ حروف مقطعات قرآنی

مثلاً الم ، حمعسق وغیرہ ۔ان کے اعداد باعتبار زبر لیے جائیں گے جیسے " الم " میں الف کا ایک ، لام کے تیس اور میم کے چالیس ۔ اگر ان حروف کے زبر و بینات دونوں سے یا صرف بینات سے تاریخ کہی جائے تو اس کی وضاحت کرنا ضروری ہوگی۔

الحمد للہ کہ اختلافی مسائل پر بحث مکمل ہونے کے بعد حروف تہجی کے حتمی اعداد بھی درج کردیے گئے ۔

○ اب یہ دیکھنا ہے کہ تاریخ کیسے اور کس کس طرح کہی جاتی ہے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ تاریخ کیسے کہی جاتی ہے تو اس کا جواب اس مضمون کی ابتدا میں آچکا ہے جو مختصراً یہ ہے کہ قاعدہ جمل سے کوئی لفظ یا فقرہ یا نظم میں کوئی مصرع یا بیت یا اس کا کوئی جزو ایسے لفظوں سے ترتیب دیا جائے جن کے اعداد جمع کرنے سے کسی واقعہ کے سال وقوع کے اعداد کے برابر ہوجائیں۔ اب رہا یہ سوال کے ایسے فقرے یا مصرعے وغیرہ کس طرح ترتیب دیے جاتے ہیں۔ مبتدی حضرات کے لیے جن کو تاریخ گوئی کا شوق ہے، یہ سوال بہت اہم ہے اور ان کی رہ نمائی کے لیے اس کا جواب بہت ضروری ہے جو حسب ذیل ہے:

" تاریخ کہنے کے لیے ذوق سلیم، قوت نظم اور تاریخ گوئی کے اصولوں سے اچھی طرح واقفیت کے ساتھ ساتھ مسلسل مشق بھی ضروری ہے تاکہ ایک تو بیشتر الفاظ کے اعداد زبانی یاد ہوجائیں۔ دوسرے رفتہ رفتہ برجستہ اور رواں تاریخیں نکالنے کی مہارت حاصل ہوجائے۔ خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی، مولف تذکرۂ آب بقا نے جو ایک نامور استاد اور ماہر فن تھے، مبتدی شعرا کے لیے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے " شاعری کی چوتھی کتاب " میں بہت آسان اور سادی زبان میں تاریخ کہنے کا طریقہ تعلیم کیا ہے جو اس طرح ہے:

"تاریخ کہنے کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے واقعات کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ سن (سال) کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ فرض کریں کسی شاعر کے دیوان کی تاریخ کہنا ہے اور اس کے لیے ۱۳۴۵ عدد مطلوب ہیں۔ اس کے لیے پہلے ایک موزوں جملہ تجویز کرنا چاہیے۔ مثلاً " شاعر شیریں زباں " اس سے ۱۲۰۱ عدد نکلے۔ اب اس کو " کلام شاعر شیریں زباں " کہا۔ اس کے ۱۲۹۲ ہوئے۔ پھر ایک پلٹا دیا اور کلام شاعر شیریں بیاں " کہا یعنی " زباں " کی جگہ " بیاں " کی لفظ رکھ دی۔ اس سے ۱۲۹۵ عدد حاصل ہوئے۔ پھر بدلا اور " کلام شاعر شیریں زباں یہ اچھا ہے "۔ اس سے ۱۳۳۵ عدد ہاتھ آئے۔ اب " اچھا " کی جگہ " زیبا " لکھا۔ " کلام شاعر شیریں زباں یہ زیبا ہے "۔ اس سے

۱۳۴۵ عدد حاصل ہوگئے اور یہی مطلوب تھے ۔ اس پورے مصرع سے سالم الاعداد تاریخ نکل آئی ۔ اس طرح مشق کی جاتی رہے تو سال چھ مہینے میں تاریخ کہنے اور اچھے مادے نکالنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی ۔ ایک اور مثال دیکھیے :

" اگر کسی مسلمان لڑکے کی تاریخ ولادت کہنا ہو اور مثلاً ۱۳۴۱ اعداد مطلوب ہوں تو اس کے لیے پہلے ایک مناسب لفظ تجویز کریں مثلاً " لختِ جگر " اس کے اعداد ۱۲۵۳ ہوئے ۔ ۸۷ عدد کی کمی رہی ۔ اب لختِ جگر کے بجائے " لختِ جان و جگر " کہا تو ۵۹ عدد بڑھ کر ۱۳۱۲ ہوئے ۔ اس میں " پیدا " کا لفظ شامل کیا تو ۱۳۲۹ عدد حاصل ہوئے ۔ اب یوں کہا " لختِ جان و جگر ہوا پیدا " ۔ اس میں " ہوا " کے ۱۲ عدد بڑھنے سے ۱۳۴۱ عدد حاصل ہوگئے اور یہی مطلوب تھے ۔ اس طرح سال ولادت ۱۳۴۱ نکل آیا ۔ ابتدا میں مشق کے لیے ایک ایک مصرع کو سو سو مرتبہ بھی پلٹنا پڑے تو حرج نہیں ۔ اس طرح صحیح مادہ حاصل ہوجائے گا اور مشق بڑھ جائے گی " ۔

○ اب وہ مثالیں ملاحظہ کیجیے جن سے یہ واضح ہوگا کہ تاریخ ایک لفظ سے لے کر ایک شعر تک کتنی مختلف صورتوں سے کہی جاسکتی ہے :

۱) کسی ایک لفظ سے تاریخ نکالنا :

مثلاً نواب آصف الدولہ بہادر شاہ اودھ کے انتقال پر کسی نے " غریب " کے لفظ سے تاریخ نکالی جس کے اعداد حسابِ جمل سے ۱۲۱۲ ہوتے ہیں اور یہی ان کا ہجری سال وفات ہے ۔

۲) کسی ایک فقرہ سے تاریخ نکالنا :

مثلاً حضرت جلال لکھنوی نے حیدر رام پوری شاگرد مومن کے ختم دیوان کی تاریخ " آئینہ معشوق سخن " کے فقرے سے نکالی ۔ (افادۂ تاریخ)

اسی طرح میں نے کراچی میں ایک نوجوان ڈاکٹر پرویز اختر نقوی کی وحشت

گردوں کے ہاتھوں شہادت کی تاریخ لوحِ مزار کے لیے حسبِ ذیل فقرہ سے نکالی:

" شہید جورِ باطل پرویز اختر"

۳۱۹+ ۲۰۹+ ۴۲+ ۲۲۵+ ۱۲۰۱ = ۱۹۹۶ء

۳) کسی ایک مصرع سے تاریخ نکالنا:

مثلاً میر علی اوسط رشک لکھنوی نے اپنے استاد شیخ امام بخش ناسخ کی تاریخ انتقال ان کی لوحِ مزار کے لیے اس مصرع سے نکالی:

مرقد ناسخ اعجاز بیاں واویلا

۳۴۴+ ۷۱۱+ ۸۲+ ۶۳+ ۵۴ = ۱۲۵۴ھ

اسی طرح حضرت جلال لکھنوی نے نواب ضیأالدین احمد نیر دہلوی کی تاریخ انتقال حسبِ ذیل مصرع سے نکالی:

دہلی کا بجھا چراغ اے آہ

۴۹+ ۲۱+ ۱۱+ ۱۲۰۴+ ۱۱+ ۶ = ۱۳۰۲ھ

یا حضرت ظفر جون پوری مدظلہ نے معروف مرثیہ گو شاعر آلِ محمدؐ حضرت نسیم امروہوی کی تاریخ انتقال اس مصرع میں محفوظ کی:

" شاعر آل محمد تھے حقیقت میں نسیم"

۵۷۱+ ۳۱+ ۹۲+ ۴۱۵+ ۶۱۸+ ۱۰۰+ ۱۶۰ = ۱۹۸۷ء

۴) ایک پورے شعر سے تاریخ نکالنا:

مثلاً میں نے اپنے ایک جدِ عالی مرتبت اور اپنے وقت میں برِصغیر کے عظیم ترین مجتہد سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی عرف مولوی نقن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی تاریخ انتقال ایک پورے شعر سے نکالی جو حسبِ ذیل ہے:

جہان زشت سے گزرے وہ سید العلماء

۵۹+ ۷۰۷+ ۷۰+ ۲۳۷+ ۱۱+ ۲۴۶ = ۱۳۳۰

جناب مولوی سید علی نقی نقوی

۵۶+ ۹۲+ ۷۴+ ۱۴۰+ ۱۹۰+ ۱۹۶ = ۶۵۸

= ۱۹۸۸ء

اسی طرح میں نے شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کی تاریخ وفات اس شعر میں محفوظ کی:

چل بسے حیف جوش دنیا سے

۳۳+ ۷۲+ ۹۸+ ۳۰۹+ ۶۵+ ۷۰ = ۶۴۷

گر گیا شاعری کا تاج محل

۲۲۰+ ۳۱+ ۵۸۱+ ۲۱+ ۴۰۴+ ۷۸ = ۱۳۳۵

= ۱۹۸۲ء

۵) مصرع کے کسی جزو سے تاریخ نکالنا:

مثلاً شیر شاہ سوری کے آگ سے جل کر مرجانے کی تاریخ کسی نے یوں کہی:

سال تاریخ او "ز آتش مرد"

۷+ ۷۰۱+ ۲۴۴ = ۹۵۲ھ

اسی طرح مغل شہنشاہ نورالدین جہانگیر کے انتقال پر کشفی نے تاریخ یوں کہی:

چو تاریخ وفاتش جست کشفی

خرد گفتا "جہانگیر از جہاں رفت"

۲۸۹+ ۸+ ۵۹+ ۶۸۰ = ۱۰۳۶ھ

یا اس خاکسار ساحر لکھنوی نے اپنے عم محترم عالی جناب نواب سید افسر حسین صاحب ایڈوکیٹ اعلیٰ اللہ مقامہ کے انتقال پر جو تاریخ کہی وہ یہ ہے:

فضائے تربت یہ کہہ رہی ہے کہ سنگ مرقد پر اب تو ساحر

"نواب افسر حسین صاحب کی قبر جنت مثال" لکھیے

۵۹+ ۳۴۱+ ۱۲۸+ ۱۰۱+ ۳۰+ ۳۰۲+ ۴۵۳+ ۵۷۱ = ۱۹۸۵ء

اس مصرعۂ تاریخ میں " لکھیئے" کا لفظ تاریخ میں شامل نہیں ہے۔ اس طرح مصرع کے ایک جزو سے تاریخ نکلتی ہے۔ اسی طرح میں نے ہندوستان کے معروف اور نہایت مقبول شاعر حضرت ناظر خیامی کی تاریخ انتقال کہی:

یہ کہا ہاتف نے ساحر بہر تاریخ وفات
" فی امان اللہ ناظر" قبر پر لکھ دیجیے

۹۰+ ۹۲+ ۶۶+ ۱۱۵۱ = ۱۳۹۹ھ

۵) شعر کے ایک جزو سے تاریخ نکالنا:

مثلاً میں نے اپنے ایک جد اور معروف عالم دین جناب مولانا سید محمد مہدی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی تاریخ وفات یوں کہی:

سال رحلت قبر پر ساحر لکھو " خلد آشیاں

۶۳۴+ ۳۶۲ = ۹۹۶

+ مولوی سید محمد مہدی زیبا نژاد

۹۲+ ۷۴+ ۹۲+ ۵۹+ ۲۰+ ۶۲ = ۳۹۹

= ۱۳۹۵ھ

اس میں پہلے مصرع کے آخری جزو " خلد آشیاں " اور دوسرے مکمل مصرع کے اعداد ملا کر تاریخ نکلتی ہے۔

ایک نہایت خوبصورت تاریخ نعمت خان عالی کی طرف منسوب ہے۔ یہ تاریخ ستارہ گڑھ پر جو اہل ہنود کے قبضہ میں تھا، اورنگ زیب عالمگیر کی فتح کے موقع پر کہی گئی تھی:

چو از درون ستارہ جنود شرک برفت

۶۶۶ ۵۸۳ = ۸۳+

طلوع کرد در او آفتاب عالمتاب

= ۱۰۲۸

۱۰۲۸ ۱۱۱۱ھ

اس میں پہلے مصرع کے لفظ " ستارہ " اور دوسرے مصرع کے " آفتاب عالمتاب " کے اعداد جمع کرنے اور پھر پہلے مصرع کے " جنود شرک " کے اعداد منہا کرنے سے تاریخ نکلتی ہے۔

○ تاریخ گوئی کی مختلف صورتوں کے علاوہ تاریخ گوئی کی مختلف قسمیں بھی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

۱) صوری

۲) معنوی

۳) ہم صوری و ہم معنوی

۱) صوری تاریخ:

صوری تاریخ اس کو کہتے ہیں جس میں کسی واقعہ کے ظہور میں آنے یا وقوع پذیر ہونے کا سال یا مہینہ وغیرہ الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ اس میں حسابِ جمل کا دخل نہیں ہوتا اور ظاہری الفاظ ہی تاریخ کا مادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو ظاہری تاریخ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً شیخ سعدی نے اپنی مشہور و معروف کتاب "گلستان" کی تاریخ یوں کہی:

در آں مدت کہ مارا وقت خوش بود
ز ہجرت شش صد و پنجاہ و شش بود

اس سے ظاہر ہوا کہ "گلستاں" کی تصنیف چھ سو چھپن ہجری (۶۵۶ ھ) میں ہوئی۔

اساتذۂ قدیم میں کسی نے تیمور لنگ کی ولادت، خروج اور انتقال کی صوری تاریخ ایک قطعہ کے تین مصرعوں میں یوں کہی:

سلطان تیمور کہ مثل او شاہ نبود
در ہفصدوسی و نہہ آمد بوجود
در ہفصد و ہفتاد ویکی کرد خروج
در ہشت صدو ہفت کرد عالم پدرود

(افادۂ تاریخ بحوالہ ہفت قلزم)

اس سے معلوم ہوا کہ سلطان تیمور کی ولادت ۷۳۹ ھ میں ہوئی۔ ۷۷۱ ھ میں اس نے خروج کیا اور ۸۰۷ ھ میں انتقال کیا۔

اسی طرح میں نے معروف شاعر حضرت مجاہد لکھنوی کے انتقال پر صوری تاریخ یوں کہی:

ہوئی صوری پہ تاریخ مجاہد لکھنوی ساحر
کہ بس انیس سو پچانوے تک تھی حیات ان کی

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ۱۹۹۵ء میں ہوا۔

اسی طرح فصیح نے ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کی صوری تاریخ ہجری اور عیسوی دونوں سنین میں یوں کہی:

چو ملکۂ انگلستاں بہ تخت و تاج رسید
برآمد از پئے تاریخ این ندائے فصیح
" ہزار و دو صد و پنجاہ و سہ" سن ہجرت
۱۲۵۳ھ
" ہزار و ہشت صد و سی و ہفت" سال مسیح
۱۸۳۷ء

کسی شاعر نے نواب آصف الدولہ بہادر شاہ اودھ کی صوری تاریخ انتقال ۱۲۱۲ھ بالکل نئے انداز اور دلچسپ طریقے سے کہی:

پوچھا آصف سے نکرین نے ، کتنے ہیں امامؑ
کہا جرار نے ہر ایک سے ، " بارہ بارہ"

اس میں دو مرتبہ ۱۲ لکھنے سے ۱۲۱۲ حاصل ہوگئے جو سال وفات کے ہم عدد بھی ہیں اور ائمۂ اثنا عشر کی تعداد جو بارہ ہے اس کی طرف بھی مکرر اشارہ کرتے ہیں۔

غالب کو تاریخ گو شاعر کی حیثیت سے اہمیت نہیں دی جاتی ، مگر ان کی جدت طراز اور ایجاد پسند طبیعت نے ان سے نئے نئے طریقوں سے تاریخیں کہلوائیں۔ چنانچہ تذکرۂ " سراپا سخن " کی صوری تاریخ طبع انھوں نے بالکل نئے انداز سے کہی:

اس کتاب طرب نصاب نے جب

آب و تاب انطباع کی پائی

فکرِ تاریخ سال میں مجھ کو
ایک صورت نئی نظر آئی

ہندسے پہلے سات سات کے دو
دیے ناگاہ مجھ کو دکھلائی

اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا
با ہزاراں ہزار زیبائی

سالِ ہجری تو ہو گیا معلوم
بے شمول عبارت آئی

مگر اب ذوق بذلہ سنجی کو
ہے جداگانہ کار فرمائی

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
یہ امید سعادت افزائی

غرض اس سے ہیں چاردہ معصوم
جن سے ہے چشم جاں کو زیبائی

اور بارہ امامؑ ہیں بارہ
جن سے ایماں کو ہے توانائی

ان کو غالب یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی
(فن تاریخ گوئی از کسریٰ منہاس)

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ کتاب ۱۲۷۷ھ میں طبع ہوئی۔

۲) معنوی تاریخ:

معنوی تاریخ اسے کہتے ہیں جس کی بنیاد حسابِ جمل پر ہوتی ہے۔ اس میں قاعدۂ جمل سے حروف کے اعداد جمع کر کے تاریخ نکالی جاتی ہے۔ اس کو باطنی تاریخ بھی کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہی فن تاریخ گوئی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں اوپر آچکی ہیں۔ ورق گردانی سے بچانے کے لیے ایک آدھ مثال اور درج کر رہا ہوں۔

الم نے اپنے استاد حضرت داغ کے دیوان "مہتاب داغ" کی اشاعت کی تاریخ کہی:

یہ دیوان ہے داغ معجز بیاں کا
۱۵+ ۷۱+ ۱۵+ ۱۰۰۵+ ۱۲۰+ ۶۳+ ۲۱ = ۱۳۱۴ھ
(گلبن تاریخ)

اسی طرح میں نے اپنی ایک بزرگ عزیزہ کے انتقال پر تاریخ کہی:

ساحر لکھو یہ مصرعہ تاریخ قبر پر
"ہے کوئے خلد مدفن ابرار فاطمہ"
۱۵+ ۳۶+ ۶۳۴+ ۱۷۴+ ۴۰۴+ ۱۳۵ = ۱۳۹۸ھ

جناب سید باسط حیدر صاحب مرحوم جو قریبی رشتہ سے میرے چچا تھے، ان کے سانحۂ ارتحال پر بھی میں نے معنوی تاریخ کہی تھی جو حسبِ ذیل ہے:

ان کا پتہ پوچھا جو میں نے، بول اٹھی تاریخ وفات
"ساحر، باسط حیدر اب اک قصر ارم میں رہتے ہیں"
۲۶۹+ ۷۲+ ۲۲۲+ ۳+ ۲۱+ ۳۹۰+ ۲۴۱+ ۴۰+ ۶۱۵+ ۶۵ = ۱۹۹۸

۳) ہم صوری و ہم معنوی:

تیسری قسم "ہم صوری و ہم معنوی" ہے ۔ یعنی تاریخ اس طرح کہنا کہ لفظوں سے بھی تاریخ ظاہر ہو اور انھیں لفظوں کے حروف کے اعداد جمع کرنے سے بھی تاریخ کا مادہ حاصل ہو ۔ یہ بہت مشکل صنعت ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ظاہر ہوگا ۔

مثلاً میر علی اوسط رشک لکھنوی نے سبحان علی خاں قائل کی تاریخ وفات ہم صوری و ہم معنوی اس طرح کہی:

مرد سبحان علی خاں قائل

" بیک الف و دو صد و شصت و چہار"

۳۲+ ۱۱۱+ ۶+ ۱۰+ ۹۴+ ۶+ ۷۹۰+ ۶+ ۲۰۹ = ۱۲۶۴ھ

(افادۂ تاریخ، ص ۱۹)

افادۂ تاریخ میں اس کے اعداد ۱۱۶۴ھ درج ہیں جو غلط ہیں ۔ غالباً سہو کتابت ہے ۔

اسی طرح حضرت ناسخ نے کسی کے انتقال پر تاریخ کہی جس کے الفاظ سے تاریخ اور مہینہ اور اعداد سے سن وفات ظاہر ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے ہم صوری و ہم معنوی صنعت میں یہ تاریخ بے مثل ہے:

طبع ناسخ سال تاریخ وفات

گفت ، " بستِ ہفتم ماہِ رجب"

۴۶۲+ ۵۲۵+ ۴۶+ ۲۰۵ = ۱۲۳۸ھ

اس میں لفظوں سے انتقال کی تاریخ ۲۷ اور مہینہ رجب معلوم ہو گیا اور اعداد سے سال وفات ۱۲۳۸ھ کا پتہ چل گیا ۔

ناسخ ہی کی ایک اور تاریخ اس صنعت میں یہ ہے:

" حیف روز اول ذی قعدہ بود

۹۸+ ۲۱۳+ ۳۷+ ۸۸۹+ ۱۲ = ۱۲۴۹ھ

(افادۂ تاریخ)

اس میں بھی صوری تاریخ سے یکم ذی قعد اور معنوی سے سال وفات ۱۲۴۹ھ ظاہر ہو گیا۔

ناسخ کی طرح حضرت داغ نے کسی کی تاریخ اس طرح کہی:

بہر تاریخ یہ کہہ دے اے داغ
"پنجشنبہ مہ ذی الحجہ سال"
۴۱۲+ ۴۵+ ۷۵۷+ ۹۱ = ۱۳۰۵ھ

اس میں لفظوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ مرنے والے کا انتقال ماہ ذی الحجہ کی کسی جمعرات کو ہوا اور اعداد سے سن وفات ۱۳۰۵ھ مل گیا، مگر اس سے یہ پتا نہیں چلتا کہ ذی الحجہ کی کس جمعرات یا کس تاریخ کو انتقال ہوا۔ اس طرح یہ تاریخ اتنی مکمل نہیں ہے جتنی ناسخ کی مندرجہ بالا تاریخ ہے۔ ناسخ ہی کی ایک اور تاریخ اس سے بھی زیادہ مکمل ہے جس میں دن، تاریخ اور مہینہ سبھی کچھ صوری اعتبار سے اور سال عددی اعتبار سے آگیا۔ تاریخ یہ ہے:

"دوشنبہ پنجم ذی حجہ اے وائے"
۳۶۷+ ۹۵+ ۷۲۶+ ۱۱+ ۱۷ = ۱۲۱۶ھ

افادۂ تاریخ میں ص ۱۹ پر اس مصرع کے اعداد ۱۲۱۰ چھپے ہیں جو غالباً سہو کتابت ہے۔

فتح الدولہ مرزا محمد رضا برق استاد جلال نے مرزا نصیر الدین حیدر بہادر اور محمد علی شاہ بادشاہان اودھ کی تاریخ انتقال مندرجہ ذیل دو مصرعوں سے اس طرح نکالی کہ صوری اعتبار سے دونوں کی مدت حکومت معلوم ہو جاتی ہے اور معنوی اعتبار سے تاریخ رحلت کا پتا چل جاتا ہے:

مرزا نصیر الدین حیدر شاہ:

دہ سال و پنج روز حکومت نمود شہ

۹+ ۹۱+ ۶+ ۵۵+ ۲۱۳+ ۴۷۴+ ۱۰۰+ ۳۰۵ ۱۲۴۷ھ

اور محمد علی شاہ:

" دہ روز پنج سال حکومت نمود شہ"

۹+ ۲۱۳+ ۵۵+ ۹۱+ ۴۷۴+ ۱۰۰+ ۳۰۵ = ۱۲۴۷ھ

یہ تاریخ جلال کی افادۂ تاریخ میں ص ۱۹ پر درج ہے ۔ اس میں بظاہر دوسرا مصرع صحیح نہیں چھپا ہے ۔ اس لیے کہ اس کے اعداد ۱۲۴۷ ہوتے ہیں حالانکہ ۱۲۵۸ درکار تھے ۔ مصرع کے نیچے ۱۲۵۸ ہی لکھا ہے ۔یہی محمد علی شاہ کے انتقال کا سال ہے ، اس لیے ظاہر ہے کہ مصرع کتابت کی غلطی سے کچھ کا کچھ چھپ گیا ۔ ایسی غلطیاں الم کی گلبن تاریخ ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی " فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت " اور کسریٰ مہناس کی " فن تاریخ گوئی " میں بھی پائی جاتی ہیں ۔

ایک قسم ہم صوری و ہم معنوی تاریخ کی وہ بھی ہے جس میں دن ، مہینہ اور سال کے بجائے اسما و صفات و امراض وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ مثلاً میر علی اوسط رشک لکھنوی استاد اول جلال نے اپنے والد مرحوم کے انتقال کی تاریخ یوں لکھی:

ایں صوری و معنوی نوشتم تاریخ

" سید سلمان وائے و فاضل ہے ہے" = ۱۲۲۸ھ

(افادۂ تاریخ)

اس تاریخ کے صحیح اعداد ۱۲۱۹ ہوتے ہیں ۔

یا

یہ ہوئی انتقال کی تاریخ

" نوجواں خوش نویس سید ہائے" = ۱۲۲۸ھ

اس تاریخ کے صحیح اعداد ۱۲۳۸ ہوتے ہیں ۔

یا

سروش مصرع تاریخ انتقال نوشت

" فقیہ و عابد و زاہد طبیب و فاضل آہ" = ۱۲۴۷ھ

یا

" مرد از سرطان و ذات الجنب واویلاہ ہائے" = ۱۲۴۷ھ

اس مصرعے کے صحیح اعداد ۱۸۴۰ ہوتے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تاریخ عیسوی سن کے اعتبار سے کہی گئی تھی مگر کتاب میں درج کرتے ہوئے غلطی سے ہجری سن ۱۲۴۷ھ لکھ دیا گیا ۔

یا

" مرد نسیم ز ہیضہ ہے ہے" ۱۲۹۱ھ

وغیرہ

تاریخی مصرعوں کے ساتھ اعداد کی عدم مطابقت مندرجہ بالا مصرعوں کی طرح تاریخ گوئی کی تقریباً ساری کتابوں میں پائی جاتی ہے ۔

○ معنوی تاریخ اور اس کے اقسام:

تاریخ گوئی کی مندرجہ بالا تینوں اقسام میں سب سے زیادہ رائج و مقبول معنوی تاریخ ہے ۔ معنوی تاریخ کہنے کا سیدھا سادہ طریقہ یہ تھا اور ہے کہ کسی ایک لفظ ، فقرہ ، مصرع ، شعر یا ان کے ایک جزو کے حروف کے اعداد سے تاریخ نکالی جائے مگر اس دور میں جب شعرا طرح طرح سے اپنے کمال فن کا مظاہرہ کرتے تھے ، تاریخ گوئی میں بھی انھوں نے بہت سی صنعتیں پیدا کیں اور نئے نئے طریقوں سے تاریخ نکال کر اپنے صاحب کمال ہونے کا ثبوت دیا ۔ شعر و ادب اور علم و فن کے موجودہ دورِ انحطاط میں ان صنعتوں میں تاریخ کہنے کا تو کیا سوال ، بیشتر شعرائے کرام ان سے واقف تک نہیں ہیں ۔ ان میں سے ایک آدھ طریقہ اب تک باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ اس سے تاریخ گوئی میں تھوڑی بہت آسانی ہو جاتی ہے ۔ معنوی تاریخ کہنے کے مختلف طریقے اور مختلف صنعتیں اجمالاً درج ذیل ہیں:

۱) سالم الاعداد:

معنوی تاریخ کہنے کا یہ طریقہ سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس میں پورے مصرع کے اعداد سال وقوع کے اعداد کے بالکل برابر ہوتے ہیں، نہ کم نہ زیادہ۔ مثلاً لکھنؤ کے معروف شاعر اور حضرت جلال کے استاد اول میر علی اوسط رشک نے حضرت ناسخ کے انتقال پر لوح مزار کے لیے تاریخ کہی:

" مرقد ناسخ اعجاز بیاں واویلا"

۳۴۴+ ۷۱۱+ ۸۲+ ۶۳+ ۵۴... = ۱۲۵۴ھ

یہاں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے " تاریخ گوئی کا فن اور اس کی روایت " میں اس مصرع کی اعداد ۱۲۵۲ھ لکھے ہیں۔ اب یا تو یہ کتابت کی غلطی ہے یا اعداد جمع کرنے میں غلطی ہوئی یا مصرع صحیح نہیں لکھا گیا یا پھر انھوں نے حروف اور اعداد میں مطابقت کیئے بغیر کسی ماخذ پر اعتبار کر کے اس سے مصرع تاریخ اور مطلوبہ سن نقل کر دیا۔ جلال نے " افادۂ تاریخ " میں یہ مصرع لکھا ہے، مگر اس کے اعداد نہیں لکھے۔ اس سے مصرع کی صحت کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ لہذا اعداد میں غلطی یا حساب کی ہے یا کتابت کی۔ یہ صورت حال متعدد تاریخوں میں پائی جاتی ہے۔ میں نے ان کی کتاب سے بعض تاریخیں اس مضمون میں نقل کرنا چاہیں، مگر جب حساب لگایا تو مصرعوں کے اعداد درج شدہ تاریخوں سے مطابقت نہیں رکھتے تھے جس کی وجہ سے مجھ کو انھیں ترک کرنا پڑا۔ مثلاً اسی تاریخ کے بعد میر انیس کے انتقال پر جلال کی کہی ہوئی تاریخ لکھی:

مرد ہے ہے سخنور کامل

۲۴۴+ ۱۵+ ۱۵+ ۹۱۶+ ۹۱ = ۱۲۸۱ھ

اس مصرع سے ۱۲۸۱ھ برآمد ہوتے ہیں جبکہ میر صاحب کا انتقال ۱۲۹۱ھ میں ہوا تھا جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے خود متعدد جگہوں پر لکھا ہے۔

پھر اس کے بعد سرکشن پرشاد کی کہی ہوئی داغ کی تاریخ وفات یوں لکھی ہے:

دلی کا چراغ بجھ گیا آہ

۴۴+ ۲۱+ ۱۲۰۴+ ۱۰+ ۳۱+ ۶ = ۱۳۱۶ھ

اس کا مادہ تاریخ ۱۳۲۲ لکھا ہے جبکہ مصرع کے اعداد ۱۳۱۶ ہوتے ہیں۔

ان تاریخوں میں کوئی ایسے حروف بھی نہیں ہیں جو اختلافی ہوں اور یہ کہا جاسکے کہ تاریخ گو حضرات نے اپنے اپنے خیال کے مطابق ان کے اعداد شمار کیے ہیں جس کی وجہ سے یہ فرق پڑا۔ بہرحال سالم الاعداد معنوی تاریخ کی ایک آدھ مثال اور درج ذیل ہے:

معروف شاعر محشر بدایونی نے حضرت نسیم امروہوی کی تاریخ وفات اس مصرع سے نکالی:

"بے نسیم آہ باغ اردو ہے"

۱۲+ ۱۶۰+ ۶+ ۱۰۰۳+ ۲۱۱+ ۱۵ = ۱۴۰۷ھ

تخلص کی مناسبت سے تاریخ نکالنے کی یہ ایک اچھی مثال ہے۔

اسی طرح آج کے ایک معروف بزرگ شاعر جناب شاہد نقوی نے میرے ایک جد اور ماضی قریب کے برصغیر کے عظیم مجتہد اور صاحبِ قلم سید العلما مولانا سید علی نقی نقوی عرف مولوی نقن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی رحلت پر ایک نہایت برجستہ اور خوبصورت اور شخصیت کے علمی کارناموں اور تصانیف کی مناسبت سے نہایت موزوں تاریخ کہی:

زندہ رہیں گے ذہن بشر میں علی نقی

۶۶+ ۲۶۵+ ۳۰+ ۷۵۵+ ۵۰۲+ ۱۰۰+ ۱۱۰+ ۱۶۰ = ۱۹۸۸ء

سالم الاعداد تاریخ یعنی تاریخ کا ایک پورے مصرع سے برآمد ہونا بہت عمدہ بات ہے، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ پورے مصرع ہی سے ایسی تاریخ نکالی جائے۔ ایک لفظ یا فقرہ یا شعر یا اس کے ایک جزو سے بھی سالم الاعداد تاریخ نکل سکتی ہے بشرطیکہ وہ موزوں اور مناسب حال ہو۔ اساتذہ نے ایسی تاریخیں بہت کہی ہیں۔ مثلاً

حضرت داغ نے نواب کلب علی خاں والی رام پور کے دیوان دوم کی طباعت کی تاریخ یوں کہی:

" اس نظم کی تاریخ کہی میں نے " شہ نظم"

۳۰۵+ ۹۹۰ = ۱۲۹۵ھ

○ سالم الاعداد کے علاوہ معنوی تاریخ زائد الاعداد اور ناقص الاعداد بھی ہوتی ہے۔

زائد الاعداد اسے کہتے ہیں جس میں مطلوبہ اعداد سے کچھ عدد بڑھ رہے ہوں اور ناقص الاعداد میں مطلوبہ اعداد سے کچھ عدد کم پڑ رہے ہوں۔ اعداد میں اس کمی بیشی کو پورا کرنے کے طریقے کو تعمیہ تدخلہ اور تعمیہ تخرجہ کہتے ہیں۔ تعمیہ کے معنی لغت میں " معمہ گفتن " کے ہیں (غیاث اللغات) اور چونکہ تدخلۂ اعداد اور تخرجۂ اعداد دونوں میں ایک صورت معمہ کی سی ہوتی ہے اس لیے بقول جلال محض تدخلہ یا تخرجہ کہنا غلط ہے۔ تعمیہ باتدخلہ اور تعمیہ باتخرجہ کہنا چاہیے۔

تعمیہ تدخلہ یا تعمیہ باتدخلہ میں ناقص الاعداد تاریخ کو مصرعہ اولیٰ یا خود مصرع تاریخ کے کسی حرف یا لفظ کو قرینہ ظاہر کر کے تاریخ میں داخل کر دیا جاتا ہے جس سے تاریخ کے اعداد پورے ہوجاتے ہیں۔ مثلاً سودا نے مظہر جان جاناں کی شہادت پر مندرجۂ ذیل رباعی کے چوتھے مصرع کے ایک جزو سے از روئے تعمیہ تدخلہ تاریخ نکالی:

مظہر کا ہوا قاتل جو اک مرتد شوم
اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات ان کی کہی بروئے " درد"
+۴
سودا نے کہ " ہائے جان جاناں مظلوم"

۱۶+ ۵۴+ ۱۰۵+ ۱۰۱۶ = ۱۱۹۱

۱۱۹۱ + ۴ = ۱۱۹۵ھ

غالب کے منھ بولے بیٹے عارف، تسکین دہلوی اور حکیم مومن خاں مومن کی تاریخ وفات ایک ہی مصرع سے نکالی۔ تینوں کا انتقال ایک ہی سال کے دوران ہوا تھا۔ لہٰذا سالک نے یوں کہا:

کہا دل نے کہ داخل ہوگئے سب
"ارم" میں "عارف" و "تسکین" و "مومن"

+۲۴۱　+۳۵۱　+۵۴۰　۱۳۶ = ۱۲۶۸ھ

عارف، تسکین اور مومن کے مجموعی اعداد ۱۰۲۷ ہوتے تھے جبکہ مطلوبہ سن ۱۲۶۸ھ تھا۔ یوں ۲۴۱ عدد کم ہوتے تھے جو "ارم" کے اعداد کے برابر ہیں۔ چنانچہ شاعر نے یہ کہہ کر کہ "ارم" میں داخل ہوگئے صنعت تعمیہ تدخلہ میں بڑی خوب صورت تاریخ کہہ دی۔

ب　تعمیۂ تخرجہ یا تعمیہ باتخرجہ وہ صنعت ہے جس کے ذریعے زائد الاعداد تاریخ سے زائد عدد کم کر کے مطلوبہ تاریخ حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت داغ دہلوی کی وفات پر ان کے ایک شاگرد نے تاریخ کہی:

"دم" نکلتا ہے سن کے یہ تاریخ
-۴۴
"آج راہی جہاں سے داغ ہوا"

+۴　+۲۱۶　+۵۹　+۶۰　+۱۰۰۵　۱۲ = ۱۳۶۶-۴۴
= ۱۳۲۲

اس میں مصرع تاریخ سے ۱۳۶۶ عدد برآمد ہوتے تھے جبکہ داغ کی وفات ۱۳۲۲ھ میں ہوئی تھی۔ اس طرح مطلوبہ اعداد سے مصرع میں ۴۴ عدد زیادہ ہوتے تھے۔ چنانچہ شاعر نے پہلے مصرع میں "دم" نکلتا ہے" کہہ کے دم کے ۴۴ عدد کا تخرجہ کر دیا اور اس طرح مطلوبہ سن ۱۳۲۲ھ حاصل ہوگیا۔

اسی طرح نادر نے بھی داغ کی تاریخ وفات میں اتفاقاً یہی مصرع کہا یعنی "آج

راہی جہاں سے داغ ہوا"، مگر انھوں نے ۴۴ عدد کی زیادتی کو یوں کم کیا:

لکھیئے نادر مٹا کے " دلّی" کو

۴۴

" دلّی" کے بھی ۴۴ عدد ہوتے ہیں جن کا تخرجہ کر کے انھوں نے مطلوبہ تاریخ حاصل کی ۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب " فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت" میں مصرع تاریخ میں سہوِ کتابت سے " ہوا" کے بجائے " ہوے" چھپا ہے جس سے ۹ عدد بڑھ جاتے ہیں اور تاریخ غلط ہوجاتی ہے (فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت ، ص ۲۳)۔

اسی طرح اس صنعت میں مومن کی بیٹی کی ولادت کی یہ تاریخ بھی شہرت رکھتی ہے:

" نال" کٹنے کے بعد ہاتف نے

۸۱

کہی تاریخ " دختر مومن"

۱۲۰۴+ ۱۳۶ = ۱۳۴۰-۸۱

= ۱۲۵۹ ھ

" دختر مومن" کے کل اعداد ۱۳۴۰ ہوتے ہیں ۔ شاعر نے " نال" کٹنے سے کہہ کر یہ اشارہ کر دیا کہ اس میں سے نال کے ۸۱ عدد خارج کر دیے جائیں تو مطلوبہ تاریخ ۱۲۵۹ ھ حاصل ہوجائے گی ۔ بچے کی ولادت پر نال کاٹے جانے کے طریقے سے فائدہ اٹھا کر شاعر نے صنعت تعمیہ، تخرجہ میں بڑی خوبی کے ساتھ تاریخ کہہ دی ۔

اسی طرح میں نے جناب سید ابو جعفر صاحب مرحوم کے انتقال پر، جو مجالس عزا کے انعقاد اور شرکت میں بڑا انہماک برتتے تھے ، ان کی سیرت کے اس پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس صنعت میں یوں تاریخ کہی:

خلد سے دی بائے بسم اللہ نے اٹھ کر صدا

" ہیں ابو جعفر شریکِ مجلس خلد بریں "

۶۵+ ۹+ ۳۵۳+ ۵۳۰+ ۱۳۳+ ۶۳۴+ ۲۶۲ = ۱۹۸۶–۲

= ۱۹۸۴

اس میں مصرع تاریخ کے اعداد ۱۹۸۶ ہوتے تھے جبکہ ان کا انتقال ۱۹۸۴ء میں ہوا تھا۔ یوں ۲ عدد بڑھ رہے تھے۔ چنانچہ مصرع اولیٰ میں " بائے بسم اللہ نے اٹھ کر کہا" کہہ کر یہ اشارہ کر دیا کہ اس میں سے با (ب) کے دو عدد کم کر دیے جائیں تو تاریخ انتقال ۱۹۸۴ء حاصل ہو جائے گی۔

تعمیہ، تخرجہ کی ایک اور بہت خوب صورت مثال شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے انتقال پر مومن کی کہی ہوئی تاریخ ہے:

حیف اب دستِ اجل سے بے سر و پا ہو گئے

" فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل "

اس میں ہر لفظ کا سر و پا یعنی پہلا اور آخری حرف خارج کر دیا۔ درمیان کے جو حرف بچے ان کے اعداد سے مادۂ تاریخ حاصل ہو گیا یعنی فقر میں سے ف اور ر، دین میں سے د اور ن، فضل میں سے ف اور ل، ہنر میں سے ہ اور ر، لطف میں سے ل اور ف، کرم میں سے ک اور م، علم میں سے ع اور م اور عمل میں سے ع اور ل خارج کر دیے تو حسبِ ذیل حروف بچے جن کے اعداد کا مجموعہ ۱۲۳۹ ہوا جو مطلوبہ سن تھا:

فقر دیں فضل ہنر لطف کرم علم عمل

ق ی ض ن ط ر ل م

۱۰۰+ ۱۰+ ۸۰۰+ ۵۰+ ۹+ ۲۰۰+ ۳۰+ ۴۰ = ۱۲۳۹ھ

یہ تاریخ میں نے حضرت عاکف سہارن پوری مرحوم کے قلمی مجموعۂ تواریخ سے لی ہے یہ تاریخ ایک اور طریقہ سے بھی بیان کی جاتی ہے جس سے مادہ تاریخ میں چند سال کا فرق پڑتا ہے۔ انتقال کی صحیح تاریخ معلوم ہوے بغیر صحیح مصرع کا تعین نہیں کیا

جاسکتا۔

اسی سے ملتی جلتی صنعت میں مگر ایک نئے انداز سے میں نے حضرت مجاہد لکھنوی مرحوم کی تاریخ وفات یوں کہی:

ہوئے غالب، ظہیر و صائب و ہاتف جو سب یکجا
لکھی سر جوڑ کے آپس میں تاریخ وفات ان کی

اس میں ہر لفظ کا سریا پہلا حرف لیا یعنی غالب کا غ، ظہیر کا ظ، صائب کی ص اور ہاتف کی ہ اور ان کے اعداد کو جوڑ لیا۔ اس طرح غ کے ۱۰۰۰ + ظ کے ۹۰۰ + ص کے ۹۰ اور ہ کے ۵ جمع کرنے سے ان کی تاریخ رحلت ۱۹۹۵ء حاصل ہوگئی۔ انھیں اعداد کو بترتیب لکھنے سے بھی تاریخ حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح اس مصرع میں دو صنعتیں جمع ہوگئیں۔ ذیل کی چند مثالوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ صاحبانِ کمال تاریخ گو شعرا تعمیہ، تخرجہ سے بھی کبھی کبھی ایسی خوبصورت تاریخ کہہ دیتے تھے جو اپنے حسن و خوبی میں سالم الاعداد تاریخوں سے بھی بڑھ جاتی تھی۔

پہلے یہاں میں ان ذوات مقدسہ کے متعلق کہی گئی کچھ تاریخیں درج کروں گا جو کائنات کی عظیم ترین ہستیاں، خلاق کائنات کی تخلیق کے شاہکار، انسانیت کے لئے باعثِ صد افتخار، شاہان دنیا کے تاجدار، پیغمبرانِ سلف کی عظمتوں کے آئینہ دار، زمیں پر نمائندگان کردگار، دین حق کے پاسدار اور اسلام کی نشو ونما اور بقا کی ذمہ دار ہوئیں۔ ان بزرگان دین کی ولادتِ باسعادت اور شہادت کی تاریخیں اردو اور فارسی میں یوں تو بہت سے شاعروں نے کہیں اور کہتے رہتے ہیں مگر ان میں سب سے اہم نام مولانائے رومؒ کا ہے۔ برصغیر میں ایک بہت ہی اہم نام جناب سجاد حسین تائب ترمذی کا ہے جن کا مختصر کتابچہ "ملک التواریخ" صرف انھیں عظیم ہستیوں کی تاریخ ہائے ولادت و شہادت پر مشتمل ہے جو تقریباً اسّی (۸۰) سال پہلے شائع ہوا تھا۔ ایک انگریز مستشرق ولیم جان بل نے تو ایک فارسی قطعہ میں صرف ایک لفظ "یاسمن" سے پنجتن پاکؑ کی شہادتوں کی پانچ تاریخیں برآمد کیں۔ چند تاریخیں ملاحظہ ہوں:۔

سرکارِ رسالتمآبؐ کی اس دنیا سے رحلت فرمانے کی تاریخ تعمیہ، تخرجہ میں کسی نے یوں کہی:

از محمدؐ زمانہ خالی شد

۹۲ - ۱۰۳ = ۱۱ ھ

یعنی "زمانہ" کے اعداد میں سے جو ۱۰۳ ہوتے ہیں، محمدؐ کے اعداد ۹۲ کم کر دیے جائیں تو ۱۱ بچیں گے اور یہی ۱۱ ھ حضورؐ کا سالِ وصال ہے۔ اس مصرع کی معنویت بھی قابلِ داد ہے۔

تعمیہ، تخرجہ کی ایک دوسری مثال مولانائے روم سے منسوب امام حسینؑ کی شہادت کی تاریخ ہے جو انھوں نے یوں کہی:

سال قتلش بگفت تمیمِ

سر دیں را برید بے دینے

یعنی ایک بے دین نے دین کا سر کاٹ ڈالا مگر مقصد اس سے یہ ہے کہ دین کا سر یعنی دال اگر کاٹ دی جائے تو "ین" (ی اور ن) بچیں گے جن کے اعداد ۶۰ ہوتے ہیں اور یہی سال ۶۰ ھ شہادت امام حسینؑ کا سال ہے۔ مولانائے روم ہی سے منسوب ایک اور تاریخ بھی اس واقعہ سے متعلق یہ ہے:

من چہ گویم کربلا را واقعات

"آہ" بیروں آمدہ از "اسمِ ذات"

(اللہ)

۶ - ۶۶ = ۶۰ ھ

یعنی اسمِ ذات (اللہ) سے جس کے اعداد ۶۶ ہوتے ہیں، "آہ" کے ۶ عدد خارج کر دیئے تو ۶۰ بچے اور یہی ۶۰ ھ سنِ شہادتِ امام حسینؑ ہے۔ اسی طرح کسی نے شہادت علیؑ کی تاریخ یوں کہی:

بریدابن ملجم چو فرق ولی
۶

عیاں گشت تاریخ فوت علیؑ

جب ولی کا فرق (واؤ) کاٹ دیا گیا تو ل اور ی بچے جن کے مجموعی اعداد ۴۰ ہوتے ہیں یہی حضرت علیؑ کا سن شہادت ہے اور اگر ولی سے مراد علیؑ ہو تو علی کا ع خارج کر دینے سے بھی یہی تاریخ حاصل ہو گی۔

ایسی ہی ایک تاریخ وفات جناب فاطمۃ زہرا سلام اللہ علیہا کی کسی شاعر نے یوں کہی:

ماند دنیا بماتمش بے جاں
۶۵ - ۵۴ = ۱۱

یعنی دنیا ان کے ماتم میں بے جان ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ "دنیا" کے ۶۵ عدد میں سے "جان" کے ۵۴ عدد نکل گئے تو ۱۱ بچے اور یہی ان کی وفات کا سال ہے۔ اسی طرح امام حسنؑ کی تاریخ شہادت کسی نے یوں کہی:

عدل بے جاں ماند، شد داد از جہاں
۱۰۴ - ۵۴ = ۵۰ ۹ - ۵۹ = ۵۰

اس مصرع سے شاعر نے دو طرح سے تاریخ نکالی۔ عدل سے جان کے اعداد اور جہاں سے داد کے اعداد خارج کیے جائیں تو دونوں صورتوں میں ۵۰ عدد حاصل ہوں گے۔ یہی شہادت کا سال ہے۔ مندرجہ بالا مصرعوں کی معنویت بھی قابل داد ہے۔

تعمیہ، تخرجہ کی ایک دوسری بہت خوب صورت مثال یہ ہے کہ لطیف نامی شخص نے ایک حوض بنوایا۔ شاعر نے "حوض لطیف" سے تاریخ نکالنا چاہی مگر اس میں ۳ عدد زائد تھے شاعر نے ان کا تخرجہ "آب" کی لفظ سے کیا جس کے ۳ عدد ہوتے ہیں اور یوں کہا کہ:

از حوض لطیف آب بردار

کبھی سلطان العلماء اور کبھی مجتہد العصر لکھنؤ کے نام سے متعدد بار آیا ہے ۔ جناب کسریٰ منہاس نے بھی " فن تاریخ گوئی " میں یہ تاریخ غالب کے ایک خط کے اقتباس کے ساتھ " اردوئے معلیٰ " مطبوعہ مطبع مجتبائی ، دلی کے حوالے سے نقل کی ہے جو حسبِ ذیل ہے :

" غالب اپنے ایک خط میں شفق کو لکھتے ہیں :

" آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا ۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے ۔ نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلماء ۔ نقش نگیں میر حسین ابن علی ۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی اس میں پانچ بڑھتے ہیں ۔ یعنی ۱۲۷۸ ھ ہوتے تھے ۔ تخرجہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا ۔ میں تو جانتا ہوں اچھا ہے ۔ دیکھیں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں ۔ (اردوئے معلیٰ ، ص ۷ ۔ ۲۳۶) ۔"

تاریخ حسبِ ذیل ہے جو " کلیات غالب " فارسی جلد اول ، ص ۲۲۵ ، طبع مجلس ترقی ادب ، لاہور میں بھی درج ہے :

" حسین ابن علی آبروئے علم و عمل
کہ سید العلماء نقش خاتمش بودے
نہ ماند و ماندے اگر بودے پنج سال دگر

۵

" غم حسین علی " سال ماتمش بودے

۱۲۷۸ – ۵ = ۱۲۷۳ ھ

یعنی اگر جناب سید العلماء پانچ سال اور زندہ رہتے تو ان کی تاریخ وفات " غم حسین علی " ہوتی جس کے اعداد ۱۲۷۸ ھ ہوتے ہیں جبکہ ان کا انتقال ۱۲۷۳ ھ میں ہوا تھا ۔

اردو میں اس قسم کی تاریخ شاید پہلی بار اس حقیر فقیر ساحر لکھنوی نے جناب

اختر وصی علی کے انتقال پر کہی ۔ وہ معروف سوزخوان اور فن موسیقی کے ماہر تھے ۔ ان کا انتقال ۱۴۱۶ھ میں ہوا ۔ ان کے نام " اختر وصی علی" کے اعداد ۱۲۰۱+ ۱۰۶+ ۱۱۰ = ۱۴۱۷ ہوتے تھے ۔ اس طرح ایک عدد بڑھ رہا تھا چنانچہ میں نے تاریخ یوں کہی:

ساحر اک اور سال جو رہتے وہ دہر میں

تاریخ ہوتی نام سے " اختر وصی علی" = ۱۴۱۷ - ۱

= ۱۴۱۶ھ

بعض صاحبان کمال نے بیک وقت تعمیہ، تدخلہ اور تعمیہ، تخرجہ دونوں صنعتوں کو ایک مادۂ تاریخ نکالنے میں استعمال کیا ہے جیسے نعمت خان عالی نے اورنگ زیب عالمگیر کی ابوالحسن والیِ گولکنڈہ پر فتح کی تاریخ کہنے میں دونوں صنعتوں سے بیک وقت کام لیا اور ایسی فنکارانہ مہارت سے تاریخ کہی جس کی داد نہیں دی جاسکتی ۔ تاریخ حسبِ ذیل ہے:

بوالحسن داشت جا بہ " چار محل"

۱۵۷ - ۲۸۲ = ۱۲۵

بدرش کرد زاں میاں تقدیر

او چو برخاست ، جائے او بنشست

شاہ اورنگ زیب عالمگیر

۳۰۶+ ۲۹۶+ ۳۷۱ = ۹۷۳+ ۱۲۵

= ۱۰۹۸

یعنی " ابوالحسن " کا قیام " چار محل " میں تھا ۔ جب تقدیر نے اس کو وہاں سے نکال دیا تو اس کی جگہ اورنگ زیب عالمگیر آ بیٹھا ۔ اس سے تاریخ اس طرح نکالی کہ " چار محل " کے اعداد ۲۸۲ میں سے " ابوالحسن " کے اعداد ۱۵۷ کا تخرجہ کر دیا تو ۱۲۵ بچے ۔ اس میں آخری مصرع " شاہ اورنگ زیب عالمگیر " کے ۹۷۳ عدد جمع کر دیے تو ۱۰۹۸ حاصل

ہوگئے ۔یہی مطلوبہ سن تھا۔ظاہر ہے کہ ایسی تاریخ کہنے کے لیے نعمت خان عالی ہی کی سی ذہانت اور مہارت فن کی ضرورت ہے ۔یہ ہر ایک کا کام نہیں ہے ۔

سالم الاعداد اور تعمیہ کی صنعتوں کے علاوہ بھی شعرا نے تاریخ گوئی میں طرح طرح کی صنعتیں پیدا کی ہیں جن میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں:

۱) حروفِ معجمہ یا نقطہ دار حروف سے تاریخ نکالنا:

مثلاً حضرت جلال کے ایک شاگرد دانش نے ان کے ایک رسالے "کارآمد شعراء" کی تاریخ یوں کہی:

دانش شدہ ایں نسخہ موصوف چو مطبوع
در معجمہ تاریخ شدہ "فیض جلال است"

اس میں "فیض جلال است" کے نقطہ دار حروف سے حسبِ ذیل طریقہ سے تاریخ نکلتی ہے:

ف	ی	ض	ج	ت	
۸۰	۱۰	۸۰۰	۳	۴۰۰	= ۱۲۹۳ھ

اسی طرح میں نے حروف معجمہ یا حروف منقوطہ سے معروف شاعر حضرت مجاہد لکھنوی کی تاریخ انتقال یوں برآمد کی:

لکھو تاریخ ساحر قبر پر منقوط حرفوں سے
" مجاہد لکھنوی کا یہ بہشت آثار مدفن ہے"

اس کے حروف منقوطہ یا معجمہ کا حساب حسب ذیل ہے:

ج	ن	ی	ی	ب	ش	ت	ث	ف	ن	ی	
۳	۵۰	۱۰	۱۰	۲	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۸۰	۵۰	۱۰	= ۱۴۱۵ھ

بعض صاحبان کمال نے تو منقوط حروف میں اس طرح تاریخیں کہی ہیں کہ پورے مصرع تاریخ میں کوئی لفظ ایسا نہیں آیا جس میں ایک حرف بھی غیر منقوط ہو۔

۲) حروف مہملہ یا غیر منقوطہ سے تاریخ نکالنا:

مثلاً جلال کے ایک شاگرد رفعت نے ان کے دیوان اول کی اشاعت کی تاریخ اس صنعت میں یوں کہی:

عجیب مہملہ میں نکلے سال اے رفعت
" سرور ہر دل والا گھر گر اس کو کہہ"
۴۶۶+ ۲۰۵+ ۳۴+ ۳۸+ ۲۲۵+ ۲۲۰+ ۶۱+ ۲۶+ ۲۵ = ۱۳۰۰ھ

اس تاریخ میں پورے مصرع میں کوئی نقطہ دار حرف استعمال نہیں ہوا ہے مگر اس میں عیب یہ ہے کہ "گر اس کو کہہ" کی لفظیں مادہ تاریخ میں شامل کی گئی ہیں جو نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ یہ قول شاعر ہے نہ کہ مادۂ تاریخ۔

۳) زبر و بینات سے تاریخ نکالنا"

اس صنعت کو سمجھنے کے لیے پہلے زبر و بینات کو سمجھنا ضروری ہے۔ جب کسی حرف کو تلفظ کے اعتبار سے لفظ کی صورت میں لکھا جاتا ہے تو وہ حرف لفظ کی ابتدا میں خود بخود آجاتا ہے جیسے الف میں ا، با میں ب، تا میں ت اور جیم میں ج وغیرہ یہی اصلی حرف ہوتا ہے اور اس کو اصطلاح جمل میں زبر کہتے ہیں۔ اس کا تلفظ اول و دوم بالضم ہے یعنی ز اور ب دونوں پر پیش ہے اور را (ر) ساکن ہے۔ زبر کے علاوہ لفظ میں جو حرف باقی بچتے ہیں انھیں بینات کہتے ہیں۔ بینات بہ یائے مشدد بروزن کائنات۔ جیسے الف میں ا زبر ہے اور ل اور ف بینات۔ جیم میں ج زبر اور ی م بینات اور دال میں د زبر اور الف لام بینات میں داخل ہیں۔ زبر کو حرف ظاہری، حرف مکتوبی اور مسمیٰ بھی کہتے ہیں اور بینات کو حرف باطنی، ملفوظی اور اسم بھی کہتے ہیں۔ زبر و بینات میں مسمیٰ اور اسم دونوں کو ملا کر تاریخ نکالی جاتی ہے جیسے الف کہ اس کا عدد ایک ہے مگر زبر و بینات کی رو سے اس کے اعداد (ا = ۱ + ل = ۳۰ اور ف =

۸۰) الف کا ایک، ل کے تیس اور ف کے اسّی جمع کر کے ۱۱۱ شمار ہوں گے ۔ اسی طرح با میں ب کے دو اور اور ا کا ایک عدد ملا کر ۳ عدد شمار ہوں گے جبکہ ب کے عدد ۲ ہوتے ہیں ۔ اسی صورت سے جیم میں ج کے ۳، ی کے ۱۰ اور م کے ۴۰ ملا کر ۵۳ عدد بنیں گے ، حالانکہ ج کے صرف ۳ عدد ہوتے ہیں ۔ قارئین اور تاریخ گو شعرا کی سہولت کے لیے زبر و بینات کے حروف اور ان کے علیحدہ علیحدہ اور مجموعی اعداد کا ایک مکمل نقشہ درج ذیل ہے:

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو ۔

نقشہ زبر و بینات معہ اعداد

حرف	تلفظ	زبر یا مسمی	بینات یا اسم	اعداد زبر	اعداد بینات	مجموعی اعداد
ا	الف	ا	ل ف	۱	(۸۰+۳۰) = ۱۱۰	۱۱۱
ب	با	ب	ا	۲	۱	۳
پ	بائے فارسی	پ	ا	۲	۱	۳
ج	جیم	ج	ی م	۳	(۴۰+۱۰) = ۵۰	۵۳
چ	جیم عجمی یا جیم فارسی	ج	ی م	۳	(۴۰+۱۰) = ۵۰	۵۳
د	دال	د	ال	۴	(۳۰+۱) = ۳۱	۳۵
ڈ	دال ہندی	ڈ	ال	۴	(۳۰+۱) = ۳۱	۳۵
ہ	ہا	ہ	ا	۵	۱	۶
و	واؤ	و	او	۶	(۶+۱) = ۷	۱۳
ز	زا	ز	ا	۷	۱	۸
ژ	زائے فارسی	ژ	ا	۷	۱	۸
ح	حا	ح	ا	۸	۱	۹
ط	طا	ط	ا	۹	۱	۱۰
ی	یا	ی	ا	۱۰	۱	۱۱
ک	کاف تازی	ک	اف	۲۰	(۸۰+۱) = ۸۱	۱۰۱
گ	کاف عجمی	گ	اف	۲۰	(۸۰+۱) = ۸۱	۱۰۱

ل	لام	ل	ام	۳۰	(۱+۴۰) = ۴۱	۷۱
م	میم	م	ی م	۴۰	(۱۰+۴۰) = ۵۰	۹۰
ن	نون	ن	و ن	۵۰	(۶+۵۰) = ۵۶	۱۰۶
س	سین	س	ی ن	۶۰	(۱۰+۵۰) = ۶۰	۱۲۰
ع	عین	ع	ی ن	۷۰	(۱۰+۵۰) = ۶۰	۱۳۰
ف	فا	ف	ا	۸۰	۱	۸۱
ص	صاد	ص	ا د	۹۰	(۱+۴) = ۵	۹۵
ق	قاف	ق	ا ف	۱۰۰	(۱+۸۰) = ۸۱	۱۸۱
ر	را	ر	ا	۲۰۰	۱	۲۰۱
ڑ	رائے ثقیلہ	ڑ	ا	۲۰۰	۱	۲۰۱
ش	شین	ش	ی ن	۳۰۰	(۱۰+۵۰) = ۶۰	۳۶۰
ت	تا	ت	ا	۴۰۰	۱	۴۰۱
ٹ	تائے ہندی	ٹ	ا	۴۰۰	۱	۴۰۱
ث	ثا	ث	ا	۵۰۰	۱	۵۰۱
خ	خا	خ	ا	۶۰۰	۱	۶۰۱
ذ	ذال	ذ	ال	۷۰۰	(۱+۳۰) = ۳۱	۷۳۱
ض	ضاد	ض	ا د	۸۰۰	(۱+۴) = ۵	۸۰۵
ظ	ظا	ظ	ا	۹۰۰	۱	۹۰۱
غ	غین	غ	ی ن	۱۰۰۰	(۱۰-۵۰) = ۶۰	۱۰۶۰

جہاں تک زبر و بینات میں تاریخ کہنے کا تعلق ہے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ صرف حروف بینات سے تاریخ نکالی جائے ۔ مثلاً حضرت جلال کے دیوان اول کے طبع کی تاریخ کسی نے اسی صنعت میں یوں کہی :

سال تاریخش محقق زد رقم در بینات

" نظم دلکش راحت افزا جانفزا و باوقار"

دوسری صورت یہ ہے کہ زبر و بینات دونوں سے تاریخ نکالی جائے چنانچہ حضرت جلال کے ایک شاگرد نے ان کے دیوان اول کی تکمیل کی تاریخ اسی صنعت میں یوں کہی:

سالش بہ زبر و بینات است
" دیوان جلال باکمال ایں"

یا حضرت داغ کے دیوان مہتاب داغ کی تاریخ میر مہدی حسین الم نے یوں کہی:

چھپ چکا استاد کا دیوان جب
عیسوی تاریخ الم نے یوں کہی
بینات و زبر میں دیکھو عدد
" گلشن بے خارہ ہے دیواں یہی"

۱۸۹۲ء

اس صنعت یعنی زبر و بینات میں تاریخ کہنے کے لیے حضرت جلال نے یہ شرط عائد کی ہے اور بالکل درست عائد کی ہے کہ جس طرح ہر حرف کے زبر کے اعداد شمار کیے جائیں اسی طرح ہر حرف کے بینات کے اعداد بھی محسوب ہوں۔ بعض کو محسوب کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا درست نہیں، اس لیے کہ قاری یا محقق کو کسی طرح یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سے بینات شمار کیے گئے ہیں اور کون سے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس لیے وہ تاریخ کا حساب نہیں لگا سکتا۔ اس کی مثال مرزا دبیر کی یہ مشہور و معروف تاریخ ہے جو انھوں نے میر انیس کے انتقال پر کہی:

" طور سینا، بے کلیم اللہ و منبر بے انیس"

اس میں انھوں نے بعض بینات کو لیا اور بعض کو چھوڑ دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے " طورِ سینا" اور " منبر بے" کے اعداد زبر و بینہ کے قاعدے سے لیے اور " بے کلیم اللہ" اور " انیس" میں صرف زبر کے اعداد محسوب کیے۔ جب تک یہ تفصیل

کسی کو معلوم نہ ہو وہ اس مصرع سے مادہ تاریخ حاصل نہیں کر سکتا۔

جہاں تک مرزا صاحب کے اس مشہورِ عالم مصرع کا تعلق ہے اس پر جلال کا اعتراض بالکل درست ہے مگر وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ مرزا صاحب نے ایسا کیوں کیا جبکہ بیشتر معترضین کو اس کا علم نہیں ہے۔ انھوں نے یہ مصرع محض زبر و بینات کی مثال میں پیش کیا ہے تاکہ یہ بتا سکیں کہ بعض بینات کو لینا اور بعض کو چھوڑ دینا درست اور جائز نہیں ہے۔ یقیناً دبیر جیسے عظیم شاعر اور استاد فن کو بھی یہ بات معلوم تھی۔ سوال یہ ہے کہ پھر انھوں نے ایسا کیوں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا دبیر پر میر انیس کی وفات کا شدید اثر تھا اور صدمہ کی شدت کی وجہ سے تاریخ کہنے پر توجہ دینا ان کے لیے تقریباً ناممکن تھا مگر تاریخ کہنا بھی ضروری تھی اس لیے جس طرح بن پڑا انھوں نے بعض بینات کو لے کر اور بعض کو چھوڑ کر اس مصرع سے تاریخ نکالی۔ ان کو تاریخ کے اس سقم کا خود احساس تھا چنانچہ صدمہ کی شدت جب کچھ کم ہوئی تو انھوں نے اس مصرع پر ایک اور مصرع لگا کر پورے شعر سے عیسوی سن میں سالم الاعداد تاریخ نکالی اور ایسی کہ تاریخ گوئی کی تاریخ میں بے مثال اور اردو ادب میں زندۂ جاوید ہو گئی۔ تاریخ کا شعر اور اس سے پہلے کا شعر حسبِ ذیل ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب زبر و بینات کی تاریخ سے خود مطمئن نہ تھے:

در سنین عیسوی تاریخ گفتم صاف صاف
گرچہ طبعم بود محزون و مکدر بے انیس

آسماں بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامیں

۱۵۳+ ۱۲+ ۴۶+ ۹۱+ ۲۶۹+ ۱۲+ ۳۴۶ = ۹۲۹

طور سیناء بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

۲۱۵+ ۱۲۱+ ۱۲+ ۱۶۶+ ۶+ ۲۹۲+ ۱۲+ ۱۲۱ = ۹۴۵

= ۱۸۷۴ء

میر انیس کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء بروز سہ شنبہ (منگل) ہوا تھا ۔ مرزا دبیر نے ایک مصرع سے زبر و بینات میں ہجری سن اور پورے شعر سے عیسوی سن میں صرف حروف زبر سے تاریخ نکالی ۔ یوں بھی اس تاریخ میں ایک صنعت پیدا ہو گئی ۔ ایک اعتراض اس سالم الاعداد تاریخ پر یہ وارد ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب نے پہلے مصرع میں آسمان کے الف ممدودہ کے دو عدد محسوب کیے ہیں حالانکہ اختلافی حروف کی بحث میں یہ لکھ چکا ہوں کہ الف ممدودہ کا بھی صرف ایک عدد شمار ہوتا ہے ۔ بے شک یہی صحیح ہے ، مگر مرزا صاحب کا فرمانا بھی صحیح ہے اس لیے کہ ان کے زمانے تک اساتذہ عروضی حیثیت سے الف ممدودہ کو دو الفوں کے برابر قرار دے کر حساب جمل میں بھی اس کے دو عدد شمار کرتے تھے ۔ مرزا صاحب نے الف ممدودہ کے عدد اپنے زمانے کے اعتبار سے لیے ہیں ۔ بعد میں یہ قاعدہ بدل گیا اور اب الف ممدودہ کا صرف ایک عدد شمار ہوتا ہے ۔ اس لیے جناب نیساں اکبر آبادی نے مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ کو مثال بنا کر جہاں جہاں الف ممدودہ کے دو عدد شمار کیے ہیں ، وہ غلط ہیں ۔

۴) ایک طریقہ زبر کے اعداد کو بینات کے اعداد سے برابر کر کے تاریخ نکالنا ہے ۔ اس کی تفصیل میں جانا لاحاصل ہے اس لیے کہ ایسی تاریخیں اساتذہ نے بھی بہت کم کہی ہیں اور آج کل کسی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس قسم کی تاریخ کہے

۵) ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کی مناسبت سے کوئی لفظ لے کر اس کے حروف کے اعداد بترتیب درجات لکھیں یعنی پہلے حرف کا عدد احاد (اکائی) میں ، دوسرے کا عشرات (دہائی) میں ، تیسرے کا مآت (سیکڑے) میں اور چوتھے کا الوف (ہزار) میں ۔ مثلاً کسی شاعر نے "طوبا" کے اعداد اسی طرح ترتیب درجات سے لکھ کر کسی کے باغ کی تاریخ نکالی ۔ یعنی طا (ط) کے نو عدد اکائی میں ، واؤ کے چھ عدد دہائی میں ، با (ب) کے ۲ عدد سیکڑے میں اور الف کا ایک عدد ہزار میں لکھے تو ۱۲۶۹ ہوئے

اور یہی مطلوبہ سن تھا ورنہ طوبا کے اعداد اگر بہ قاعدہ زبر لیے جائیں تو صرف ۱۸ ہوں گے اور اگر زبر و بینات دونوں شمار کیے جائیں تو بھی صرف ۱۳۷ ہوں گے۔

اسی طرح کسی نے لفظ " ڈوبا" سے کسی کے غرق ہونے کی تاریخ یوں نکالی کہ ڈ کے چار اکائی میں، واؤ کے چھ دہائی میں با کے دو سیکڑے میں اور الف کا ایک ہزار میں لکھا تو ۱۲۶۴ ہوئے جو سال وقوع کے اعداد کے برابر تھے۔

۶) ایک صورت تاریخ گوئی کی صنعت تنصیف ہے جو یہ ہے کہ واقعہ کی مناسبت سے کوئی حرف لے کر اس کے عدد در عدد اسی ترتیب درجات سے لکھ کر تاریخ پیدا کریں۔ اس صنعت میں ناسخ کی یہ تاریخ بہت شہرت رکھتی ہے جو انھوں نے بقول جناب شوکت الہ آبادی، نواب وزیر حکیم احسن اللہ خاں مدار المہام سلطنت اودھ پر عتاب شاہی نازل ہونے کے موقع پر یوں کہی:

افتاد حکیم از مراتب
تاریخ بطرزِ نو رقم کن
از جائے حکیم ہشت برگیر
سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

۱۲۴۸ھ

اس تاریخ کو تاریخ گوئی کے موضوع پر شائع ہونے والی متعدد کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ناسخ کی کہی ہوئی یہ تاریخ ایک نئی صنعت کی ایجاد بھی ہے اور فن تاریخ گوئی میں ان کے عظیم مرتبہ کی آئینہ دار بھی۔ یہ ان کے ذہن رسا، خلاق مضامین کی قدرت، بلندی فکر اور نہایت اعلیٰ فنی استعداد کا منھ بولتا ثبوت بھی ہے۔ تاریخ گوئی میں ایسے گوشے نکالنا کسی عام مورخ کے بس کی بات نہیں۔ اس کو القاء اور الہام ہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ معجزۂ فکر بھی ہے اور معجزۂ فن بھی۔ تاریخ گوئی میں ایسی کوئی دوسری مثال میری کوتاہ بیں نظر سے نہیں گزری۔ ناسخ نے یہ تاریخ نکالنے میں عجب کمال دکھایا ہے۔ اس کی جتنی بھی داد دی جائے، کم ہے۔

یعنی حکیم کی ح لی ۔ حساب جمل میں اس کے آٹھ عدد ہوتے ہیں ۔ ان کو اکائی میں لکھ دیا ۔ پھر ان کا نصف کیا جو چار ہوا ۔ اس کو دہائی میں لکھ دیا ۔ پھر چار کا نصف دو ہوا جو سیکڑے میں لکھا ۔ پھر دو کا نصف ایک ہوا جس کو ہزار کی جگہ پر رکھا اس طرح ۱۲۴۸ لکھے گئے اور یوں ہجری سن مطلوبہ حاصل ہو گیا ۔ یہ تاریخ شاعر کی قوت فکر اور بلندی تخیل کی بہترین مثال اور ذہن کی خلاقی اور کمال فن کی بین دلیل ہے ۔

جناب نسیاں اکبر آبادی نے لکھا ہے کہ یہ تاریخ حکیم مہدی علی خاں کے متعلق ہے مگر مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ نے " تاریخ لکھنؤ " میں حکیم مہدی علی خاں کی معزولی کا سن ۱۲۳۵ھ لکھا ہے اس لیے یہ تاریخ ان کے متعلق نہیں ہو سکتی ۔

۷) متحرک حروف سے تاریخ نکالنا:

یہ بھی تاریخ گوئی کا ایک طریقہ ہے جیسے جلال کے ایک شاگرد تمیز نے ان کے " رسالہ کارآمد شعرا " کی تاریخ طبع کہی:

متحرک حروف کو جو لیا
ہوئی تاریخ " کیا عجیب غریب "

۱۲۹۳

اس کے متحرک اعداد کا حساب اس طرح سے ہے:

کیا	عجیب	غریب	
ک	ع + ج	غ + ر	
۲۰	۷۰+۳	۱۰۰۰+۲۰۰	= ۱۲۹۳ھ

۸) اسی طرح حروف ساکن سے بھی تاریخ نکالی جا سکتی ہے ۔

۹) مفرد حروف سے تاریخ نکالنا:

ایسے حروف جو الگ الگ لکھے جائیں ، مفرد حروف کہلاتے ہیں ۔ مثلاً عادت میں دال اور تے (ت) ، مقام میں دوسری میم ، باغ میں غین ، ادیب میں الف اور

دال (د) وغیرہ۔

۱۰) متصل حروف سے تاریخ نکالنا:

مفرد حروف کی طرح متصل حروف سے بھی تاریخ نکالی جاسکتی ہے۔ مفرد حروف کے برخلاف متصل حروف وہ ہوتے ہیں جو ملا کر لکھے جائیں جیسے اوپر کی مثالوں میں عادت میں عین اور الف، مقام میں میم، قاف اور الف، باغ میں ب اور الف اور ادیب میں ی اور ب۔

۱۱) کسی غیر کا کلام مشہور جو تاریخ کے لیے نہ کہا گیا ہو، اس سے تاریخ نکالنا:

عبدالحمید آزاد شاگرد داغ نے ان کے دیوان "مہتاب داغ" کی تاریخ انھیں کے مصرع سے نکالی:

"داغ معجز بیاں ہے کیا کہنا"

۱۰۰۵ + ۱۲۰ + ۶۳ + ۱۵ + ۳۱ + ۷۶ = ۱۳۱۴ھ

اسی طرح کسی نے نواب غازی الدین حیدر شاہ بادشاہِ اودھ کی تاریخ وفات شیخ سعدی کے اس مصرع سے نکالی:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

۱۱ + ۶۳ + ۲۱۴ + ۲۵ + ۶۲۱ + ۳۰۹ = ۱۲۴۳ھ

جناب نصیر ترابی نے حضرت جوش ملیح آبادی کی تاریخ وفات انھیں کے اس مصرع سے نکالی:

میں شاعر آخرالزماں ہوں اے جوش

۱۰۰ + ۵۷۱ + ۹۳۰ + ۶۱ + ۱۱ + ۳۰۹ = ۱۹۸۲ء

اسی طرح جناب راہی جہانگر آبادی نے جناب فیض بھرت پوری کے ایک مصرع سے انھیں کی تاریخ وفات نکالی:

کیا کم ہے یہ شرف کہ علیؑ کا غلام ہوں

۳۱ + ۶۰ + ۱۵ + ۱۵ + ۵۸۰ + ۲۵ + ۱۱۰ + ۲۱ + ۱۰۷۱ + ۶۱ = ۱۹۸۹ء

جناب اسعد شاہ جہاں پوری کی وفات پر جناب درد اسعدی نے ان کی تاریخ وفات بھی انھیں کے مصرع سے یوں نکالی:

کہ جناب اسعد باخبر نے کہا ہے سال وصال خود

"میں رہین دیر و حرم نہیں وہ کہیں بقید مکاں نہیں"

۱۰۰ + ۲۶۵ + ۴۶۸ + ۱۱۵ + ۱۱ + ۸۵ + ۱۱۶ + ۱۱۱ + ۱۱۵ = ۱۳۸۶ھ

۱۲) ایک طریقہ تاریخ گوئی کا یہ ہے کہ کسی نظم سے بحساب دائرہ یا بحساب مربع یا مثلث کئی کئی طریقوں سے تاریخ نکالی جائے - یہ صنعت اس قدر دشوار ہے کہ خود اساتذہ و ماہرین فن میں سے بھی معدودے چند ہی نے اس صنعت میں اپنے جوہر دکھائے ہیں - آج کے دور میں تو کوئی بھی اس وادی پرخار میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا - اس میں کسی دائرہ یا مربع یا مثلث کو برابر کے مختلف خانوں یا حصوں میں تقسیم کر کے تاریخ کا مصرع مختلف ٹکڑوں میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ جہاں سے چاہیں پڑھنا شروع کریں - مصرع ہر حال میں بحر میں رہے گا اور ہر صورت میں تاریخ کے اعداد حاصل ہوتے رہیں گے - مربع یا مثلث میں اوپر سے نیچے، نیچے سے اوپر، دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں جس طرح چاہیں پڑھیں، تاریخ حاصل ہوگی اور مصرع کی موزونیت میں فرق نہیں آئے گا - اس طرح ایک ہی دائرہ یا مربع وغیرہ کے ایک ہی مصرع سے سیکڑوں تاریخیں برآمد ہوتی ہیں - مثال کے طور پر میں ذیل میں دو ایسے تاریخی مربع پیش کر رہا ہوں جو ایک ماہر فن مولانا آزاد سیتا پوری تلمیذ حضرت نجم سیتا پوری نے جناب مہاراجا امیر حسن خاں صاحب سحر والی محمود آباد کے کلیات "کلیاتِ سحر" کی اشاعت کے موقع پر ترتیب دیئے - ان میں کا ہر مصرع اڑتالیس مختلف طریقوں سے لکھا جا سکتا ہے اور ان سے اتنے ہی تاریخی مادے حاصل ہو سکتے ہیں - اس کے علاوہ جس خانے کے چاہیں الفاظ لے لیں - ان کے اعداد کو دس سے ضرب دے کر ایک منہا (کم) کر کے حاصل تفریق کو دس پر تقسیم کریں - باقی جو بچے اس کو سینتیس سے ضرب دے کر چھ عدد کا اضافہ کر دیں تو

لطف یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت بھی اسلام کے تمام فرقوں کے مفسرین کے نزدیک بالاتفاق حضرت علیؑ کی مدح میں اس وقت نازل ہوئی جب آپؑ نے نماز کے دوران ایک سائل کو ایک انگشتری عطا فرمائی تھی ۔ تاریخ ملاحظہ ہو:

زہے علیؑ وصیِ نبیؐ کہ شد پیدا
بکعبہ باعثِ رشکِ مسیح پیغمبر

ہماں مسیح کہ زاں کعبہ وقتِ زادنِ او
بحکم خالقِ یزداں بروں شدہ مادر

بسالِ فیل ز بہر ولادتش بشمار
نقاطِ آیہ قرآں عطائے انگشتر

۱۴) ایک صورت یہ ہے کہ کچھ لفظوں کی جمع، تفریق یا ضرب سے تاریخ نکالی جائے ۔ حافظ ممتاز علی حافظ نے طبع " مہتاب داغ " کی تاریخیں ان طریقوں سے کہی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

i) جمع الفاظ سے تاریخ نکالنا:

میں نے جب چاہا لکھوں از روئے جمع
سالِ طبع اس گلشنِ اشعار کا
وارد خاطر ہوئے الفاظ ذیل
" خوش بیانی ، حسنِ معنیٰ ، چوچلا

۹۷۹+ ۲۸۸+ ۴۳ = ۱۳۱۰ھ

ii) الفاظ کی تفریق سے تاریخ نکالنا:

چھپا دیوان ثالث داغ کا ، ہے التجا حق سے
حسد کا داغ دل سے شاعرانِ ہند کے دھو دے
سنِ فصلی اگر درکار ہے تفریق کی رو سے

" سیاہی داغ سے ، لاف عدو اشعار سے کھو دے

(۸۶–۱۰۰۵)+ (۱۹۱–۵۷۲)

۹۱۹+ ۳۸۱ = ۱۳۰۰ف

iii) الفاظ کو ضرب دے کر تاریخ نکالنا:

سال طبعش گر زروئے ضرب خواہی حافظا

" اوج" را بر " قال" زن تا سال نو آید پدید

۴ X ۱۳۱ = ۱۳۱۴ھ

یا خود حضرت داغ نے کسی کی تاریخ ضرب کے طریقے سے یوں کہی:

چو ز داغ سال رحلت دل درد مند پر سید

بکشید آہ حسرت دو صد و دوازدہ بار

۶ X ۲۱۲ = ۱۲۷۲ھ

الم نے اس صنعت میں " مہتاب داغ" کی فصلی تاریخ یوں کہی:

سال فصلی یوں بھی نکلے اے الم

تین چکر گر لگائے " روزگار"

۳ X ۴۳۴ = ۱۳۰۲ف

منشی حبیب حسن صاحب وحشی دیو بندی نے امیر مینائی کے دیوان " صنم خانہ عشق" کی اشاعت پر اس صنعت میں اس طرح تاریخ کہی:

یہ آنے لگی چار سو سے صدا

۴ = ۴

" نیا ہے کلام جناب امیر" ×

۶۱+ ۱۵+ ۹۱+ ۵۶+ ۲۵۱ = ۴۷۴

= ۱۸۹۶ء

عبدالحکیم جوش میرٹھی نے امداد اللہ مہاجر مکی کی تاریخ اس صنعت میں یوں کہی:

بگو سہ مرتبہ "شیدائے حق آہ"

۳۲۵+ ۱۰۸+ ۶ = ۴۳۹

۳ X

= ۱۳۱۷ھ

۱۵) اسی طرح کی ایک صنعت صنعتِ تضاعف ہے یعنی کسی لفظ یا فقرہ کو دگنا کر کے مادہ تاریخ حاصل کرنا جیسے ضیا حیدر آبادی نے کسی کی شادی کے موقع پر اسی صنعت میں تاریخ یوں کہی:

ضیا نے عرض کی جلوے کی تاریخ
مضاعف ہوگیا "نورٌ علیٰ نور"

۲ X ۶۲۲ = ۱۲۴۴ھ

میں نے بھی جناب سید سجاد حیدر نقوی کی تاریخ انتقال اسی صنعت میں کہی۔ وہ ملتان کے ایک نہایت سرگرم قومی کارکن اور متعدد اداروں کے سرپرست ہونے کے علاوہ یومِ حسینؑ کمیٹی ملتان کے سربراہ بھی تھے۔ اس پس منظر میں اور ان کے نام سجاد کی اسم حسینؑ سے مناسبت کو مدِ نظر رکھ کر میں نے یوں تاریخ کہی:

اٹھ گیا سجاد حیدر سا عزادارِ حسینؑ
یہ خبر سن کر دلِ ملت سے نکلی اک کراہ
رحلتِ سجاد سے دونا ہوا رنج و الم
ہوگیا ساحر مضاعف "ماتمِ شبیرؑ آہ"

۲ X ۹۹۹ = ۱۹۹۸ء

۱۶) ایک طریقہ مصرع میں شامل ہر لفظ کے پہلے حرف یا آخری حرف یا اول و آخر دونوں سے تاریخ نکالنا ہے۔ یہ تعمیہ تخرجہ کی صنعت میں داخل ہے۔ اس کی ایک بہت عمدہ مثال حکیم مومن خاں مومن کی کہی وہ تاریخ ہے جو انھوں نے شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی کے انتقال پر کہی تھی ۔ تاریخ حسب ذیل ہے جو میں اس سے پیشتر بھی گزشتہ صفحات میں تعمیۂ تخرجہ کی مثال میں لکھ چکا ہوں:۔

حیف اب دستِ اجل سے بے سر و پا ہوگئے
" فقر و دیں ، فضل و ہنر، لطف و کرم ، علم و عمل "

اس میں ہر لفظ کا سروپا یعنی پہلا اور آخری حرف خارج کردیا تو باقی حروف سے مادّہ تاریخ حاصل ہوگیا ۔

اسی طرح معروف خطیب و ذاکر علامہ عرفان حیدر عابدی اور ان کی اہلیہ کے ایک شاہراہ کے حادثہ میں انتقال پر میں نے اسی صنعت میں ہر لفظ کے سر یا پہلے حرف کے اعداد سے مادّۂ تاریخ حاصل کیا: ۔

لکھ دو ساحرؔ قبر پر اب مادہ تاریخ کا
از سر " یاس و تاسف ، درد و غم ، بین و بکا"

اس سے تاریخ اس طرح حاصل ہوتی ہے :

یاس	تاسف	درد	غم	بین	بکا	
ی	ت	د	غ	ب	ب	
۱۰	۴۰۰	۴	۱۰۰۰	۲	۲	= ۱۴۱۸ھ

۱۷) تاریخ گوئی کا ایک اور بہت خوب صورت طریقہ ہے جسے سجع کہتے ہیں ۔ سجع اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں کسی کے نام کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ نام کی حیثیت سے بھی آتا ہے اور اس سے نئے معنی بھی پیدا ہوتے ہیں یعنی نام کے ساتھ ساتھ کبھی وہ صفت کے طور پر آتا ہے اور کبھی حرفِ دعا یا کسی اور معنوں میں بھی آتا ہے ۔ صاحبِ نور اللغات نے سجع کے معنی یہ لکھے ہیں :

" وہ فقرہ نظم یا نثر کا جس میں کسی انسان کا نام کچھ معانی ظاہر کرے"۔ (ج ۳، ص ۴۱۲)

اس سے ظاہر ہے کہ کسی نام یا تخلص کو دوہری معنویت کے ساتھ استعمال کرنا سجع کہلاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ سجع میں تاریخ ہی کہی جائے ۔ سجع بغیر تاریخ کے کسی نام سے کوئی نیا مضمون یا اس میں شاعرانہ معنویت پیدا کرنے کے لیے بھی کہا جاتا ہے ۔ تاریخ ادب میں ایسے کئی سجعے بہت مشہور ہیں ۔ مثلاً کسی کا نام الہیٰ بخش تھا ۔ شاعر نے کہا " میں گنہ گار ہوں الہیٰ بخش " ۔ اس میں الہیٰ بخش نام کے طور پر بھی آیا ہے اور حرفِ دعا کے طور پر بھی ۔ اسی طرح محمد مکھن نام کے کسی شخص کا سجع شاہ نجم الدین آبرو نے کہا ، " عالم ہمہ دوغ است محمد مکھن " ۔ یہاں مکھن کی لفظ نام کے طور پر بھی آئی ہے اور صفت کے طور پر بھی (دہلی کے مرثیہ گو شعرا ، جلد ۱ ، ص ۱۴۹ ، از جناب علی جواد زیدی) ۔ میں نے حضرت قائم رضا نسیم امروہوی کے انتقال پر ان کے نام اور تخلص کی نسبت سے سجع کہا :

" باغِ سخن بہشت ہے قائم رضا نسیم "

اس میں نسیم تخلص کے طور پر بھی آیا ہے اور اپنے لغوی معنی یعنی " صبح کی ٹھنڈی ہوا " کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے ۔ میں نے جناب محترم مولانا سید محمد باقر صاحب شمس مدظلہ العالی کی توصیف میں ان کی اسمِ گرامی کا سجع کہا :

خوب سجتا ہے سجع یہ ساحر
" علم ہے آسمان باقر شمس "

اس میں باقر شمس ان کے نام کے طور پر بھی آیا ہے اور شمس ان کی صفت کے طور پر بھی ۔

اس کے علاوہ اپنے خسر معظم جناب سید مختار احمد صاحب قبلہ کے انتقال پر سجع کہا :

کہہ دو ساحر کہ یہی سجع ہے ایماں کی دلیل
" مالک خلد تو اللہ ہے مختار احمد "

اسی طرح میں نے خود اپنے نام کا بھی ایک سجع کہا ۔ ملحوظِ خاطر رہے کہ میرا نام قائم مہدی ہے ۔ سجع حسب ذیل ہے جو رباعی میں محفوظ کیا گیا ہے:

مجھ سے جو مرے دل نے یہ فرمائش کی
اک سجع مرصع ہو مرے نام کا بھی
ساحر یہ کہا سجع بتوصیفِ امامؑ
"فانی ہیں سبھی دہر میں قائم مہدی"

اس میں قائم مہدی میرے نام کے طور پر بھی آیا ہے اور امامؑ کی صفت کے طور پر بھی

سجع میں تاریخ کی مثال اس وقت میرے سامنے صرف میری ہی کہی ہوئی ایک تاریخ ہے جو میں نے معروف عالم دیں جناب مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلی اللہ مقامہ کے انتقال پر یوں کہی تھی:

" عرض سارا زمانہ ہے محمد مصطفیٰ جوہر"

۱۰۷۰+ ۲۶۲+ ۱۰۳+ ۱۵+ ۹۲+ ۲۲۹+ ۲۱۴ = ۱۹۸۵ء

اس میں محمد مصطفیٰ مولانائے موصوف کے نام اور جوہر تخلص کے طور پر بھی آیا ہے اور سرکارِ دو عالم کے اسمِ مقدس کے طور پر محمد مصطفیٰ اور جوہر صفت کے طور پر بھی آیا ہے اور مصرع سے ان کی تاریخ وفات سالم الاعداد بھی نکلتی ہے ۔ ایک ایسی ہی تاریخ اور یاد آگئی ۔ لسان القوم حضرت صفی لکھنوی نے میر نفیس کی تاریخ وفات یوں کہی:

"ہے بہشتِ عنبریں جائے نفیس"

اس میں " نفیس " میر صاحب کے تخلص کے طور پر بھی آیا ہے اور بہشت کی تعریف میں بھی ۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صنعتیں ہیں جن میں اساتذہ نے تاریخیں کہی ہیں ۔ مثلاً نظم کے ہر مصرع سے تاریخ نکالنا ۔ متعدد تاریخ گو شعرا نے اس صنعت

میں اپنے کمالات دکھائے ہیں ۔ ان میں ایک بہت نمایاں نام میرے استاد معظّم اور برِصغیر کے سب سے زیادہ معروف و مقبول سلام نگار حسینی شاعر حضرت فضل نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ کا ہے جنھوں نے اس صنعت میں متعدد تاریخیں کہی ہیں ۔ خصوصیت کے ساتھ " رفعت تاریخ " جس کا ذکر جناب کسریٰ مہناس نے بھی " فن تاریخ گوئی " میں تفصیل سے کیا ہے ۔ اس کے علاوہ پنڈت جواہر لعل نہرو کے انتقال پر انھوں نے ایسی ہی تاریخ کہی ۔ ان کی تاریخوں کا مجموعہ " مجمع التواریخ " کے نام سے شائع ہوا جس میں بیشتر تاریخیں اسی صنعت میں ہیں ۔

۱۸) ایک ہی مصرع میں صرف مہملہ یا منقوطہ حروف اور مکمل مصرع سے بھی الگ الگ تاریخیں نکالنا ایک نہایت ہی مشکل اور بڑی مہارت کی متقاضی صنعت ہے ۔ ایک صاحبِ کمال تاریخ گو شاعر مولوی سید افضال حسین نجم سیتا پوری ابن مولوی سید امتیاز علی کے اس صنعت میں دو قطعات تاریخ میری نظر میں ہیں ۔ ایک قطعہ انھوں نے ۱۸۷۵ء میں پرنس آف ویلز ایڈورڈ ہفتم کی ہندوستان میں آمد کے موقع پر کہا جس کے آٹھ اشعار یعنی سولہ مصرعوں سے بتیس تاریخیں نکالیں ۔ ہر پہلے مصرع سے سن عیسوی اور اس کے منقوطہ حروف سے سن ہجری اور ہر مصرع ثانی سے ہندو تقویم کا سال سمت اور اس کے منقوط حروف سے سال فصلی میں تاریخ پیدا کی ۔ دوسرا قطعۂ تاریخ ۱۸۷۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کے دربار کے موقع پر کہا ۔ اس میں بھی یہی صنعت استعمال کی اور اس کے نو اشعار کے اٹھارہ مصرعوں سے چھتیس تاریخیں نکالیں ۔ تاریخ گوئی کے فن میں یہ ایک کارنامہ ہے اور بڑے بڑے اساتذہ کے لیے بھی اس کمال کا اظہار مشکل ہے ۔

۱۹) ایک ہی مادہ سے ایک سے زائد تاریخیں نکلنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پورے مصرع سے بھی تاریخ نکلے اور اس کے اجزا سے بھی الگ الگ تاریخیں حاصل ہوں ۔ اس کی ایک عمدہ مثال معروف شاعر مرثیہ نگار اور تاریخ گو جناب محترم پروفیسر مظفر حسن صاحب ظفر جونپوری کی کہی ہوئی مندرجہ ذیل تاریخ ہے جو

انھوں نے حضرت سعید حسن سعید جونپوری کے انتقال پر کہی تھی۔ مصرعۂ تاریخ کا بند اور اس کے بعد کا تشریحی بند درج کر رہا ہوں:

روح کو ملتی ہے تسکین کنارِ حق میں
مطمئن رہتا ہے انسان دیار حق میں
مدحت آلؑ محمدؐ کا صلہ ہے یہ ظفر
"عبد مغفور" "سعید اب ہے جوارِ حق میں"

۱۴۰۲ھ + ۵۸۰ = ۱۹۸۲ء

"عبدِ مغفور" کو جوڑو تو ہے ہجری تاریخ
پورے مصرعہ سے نکلتی ہے مسیحی تاریخ
فیض ہے پنجتنؑ پاک کا سب کچھ یہ ظفر
جیسا کردار تھا ہاتھ آئی ہے ویسی تاریخ

اس کی ایک اور بڑی عمدہ مثال لالہ سری رام مصنف "خم خانۂ جاوید" کی کہی ہوئی تاریخ ہے جو انھوں نے اپنی اس مشہور و معروف کتاب کی اشاعت کے موقع پر کہی۔ اس میں انھوں نے ایک مصرع سے تین تاریخیں نکالیں:

لکھوں سال اشاعت اس کا میں بھی
یہ میرے دل میں بھی رہ رہ کے آیا
تو نکلے تین سن اک مادہ سے
"یہ خمخانہ ہے اب بیمثل لکھا"

۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء ۱۹۶۷ بکرمی

اس مصرع سے یہ تاریخیں اس طرح حاصل ہوتی ہیں:

"یہ خمخانہ ہے اب"

۱۵ +۱۲۹۶ +۱۵ ۳ = ۱۳۲۹ھ

" یہ خمخانہ ہے اب بے مثل "

۱۵+ ۱۲۹۶+ ۱۵+ ۳+ ۵۸۲ = ۱۹۱۱ء

اور

" یہ خمخانہ ہے اب بے مثل لکھا "

۱۵+ ۱۲۹۶+ ۱۵+ ۳+ ۵۸۲+ ۵۶ = ۱۹۶۷

بکرمی

یہ بھی صاحبان کمال کا کام ہے ۔ ہمہ شما کے بس کی بات نہیں ۔

۲۰) ایک ہی لفظ سے ایک سے زائد تاریخی مادے حاصل کرنا ۔

بعض صاحبان کمال نے ایک ہی لفظ سے ایک سے زائد تاریخی مادے حاصل کر کے اپنے فن کا کمال دکھایا ہے چنانچہ کسی شاعر نے امام حسنؑ اور امام حسین علیہم الصلواۃ والسلام کی شہادتوں کی تاریخ اس طرح نکالی :

ز حسنین سازی یکے گر جدا
بیابیں سن انتقال دگر

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو مشترکہ طور پر حسنینؑ کہتے ہیں ۔ شاعر نے کہا کہ اگر اس مشترکہ نام سے ایک نام الگ کر دیں تو دوسرے کا سن شہادت معلوم ہو جائے گا ۔ یعنی اگر حسنین سے حسن کے حروف الگ کر دیں تو ی اور ن باقی رہے گا جن کے مجموعی اعداد (۱۰+ ۵۰) = ۶۰ ہوتے ہیں اور یہی امام حسینؑ کی شہادت کا سال ہے اور اگر اس میں سے حسین کے حروف الگ کر دیں تو صرف ن بچے گا جس کے عدد ۵۰ ہوتے ہیں اور یہ امام حسنؑ کی شہادت کا سال ہے ۔ یہ شاعر کی قوتِ فکر کا کمال ہے ۔

اسی طرح کسی نے امام حسینؑ کے اسم مقدس " حسین " سے دو طریقوں سے ان کا سن شہادت اس طرح برآمد کیا :

سر جدا شد از حسینؑ و گشت تاریخ آشکار

ہم ز حرفِ بے نقط ، ہم از حروف نقطہ دار

مطلب یہ ہے کہ حسینؑ کا سر جدا ہوا یعنی حسینؑ کا پہلا حرف ح الگ کر دیا تو س ، ی اور ن تین حرف بچے ۔ ان میں س بے نقط ہے اور حسابِ جمل میں اس کے عدد ساٹھ ہیں جو امام حسینؑ کا سن شہادت ہے ۔ باقی دو حروف ی اور ن نقطہ دار ہیں اور ان کے مجموعی عدد بھی (۱۰ + ۵۰) = ۶۰ ہوتے ہیں جن سے تاریخ شہادت ظاہر ہوتی ہے۔

مگر اس طریقہ سے یعنی ایک ہی لفظ سے ایک سے زائد تاریخی مادے حاصل کرنے میں ایک یوروپین مستشرق ولیم جان بل نے کمال کر دیا ۔ اس نے ایک ہی لفظ سے پنجتن پاک علیہم الصلواۃ والسلام میں سے ہر ایک کی تاریخ وفات برآمد کی ۔ قطعہ تاریخ فارسی میں ہے جو حسبِ ذیل ہے:

رفتم بہ باغ فکر و دویدم بہ ہر چمن
در شوق چیدن گل تاریخ پنجتنؑ
ہر غنچہ را کشودم و جستم ز ہر گلے
تاکہ ندا ز بلبلے آمد بگوشِ من
احمدؐ و فاطمہؑ و حسینؑ و علیؑ ، حسنؑ
تاریخ فوتِ شاں مجو اِلاّ ز " یاسمن"
اول دو حرف بہر محمدؐ و فاطمہؑ
آخر سہ حرف بہر حسینؑ و علیؑ ، حسنؑ

لفظ یاسمن کے پہلے دو حرف ی اور ا (الف) ہیں جن کے مجموعی اعداد (۱۰ + ۱) = ۱۱ ہوتے ہیں ۔ یہی سال رحلتِ سرکار ختم المرسلین رسول اسلامؐ کا ہے اور یہی سیدہؑ عالم جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا سال شہادت ہے ۔

اس لفظ کے آخری تین حرف س م اور ن ہیں سے پہلے حرف س کے ساٹھ عدد ہوتے ہیں جو شہادت امام حسینؑ کا سال ہے ۔ دوسرے حرف م کے چالیس عدد

ہوتے ہیں۔ یہ شہادتِ حضرت علیؑ کا سن ہے اور تیسرے حرف ن کے پچاس عدد شہادت امام حسنؑ کا سال ظاہر کرتے ہیں۔

شاعر کی اس تلاش ، قوتِ تخیئل اور ندرتِ فکر کی داد نہیں دی جاسکتی۔ میں نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہ نامہ " پیام عمل " لاہور شمارہ جون ۹۹ء میں ایک ماخذ پر بھروسہ کر کے ولیم جان بل کو پنجاب کا ایک گورنر لکھ دیا تھا۔ مگر بعد میں علامہ اقبال کا ایک قصیدہ نظر سے گزرا جو انھوں نے اس وقت کے گورنر پنجاب سر ولیم میکورتھ کی مدح میں لکھا تھا۔ اس میں ولیم جان بل کی مدح میں بھی تین شعر ہیں جو اس وقت ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم تھے۔ یقین ہے کہ مندرجۂ بالا قطعۂ تاریخ انھیں ولیم جان بل کا کارنامہ ہے۔

○ تاریخ گوئی کی مختلف صنعتوں کے ذکر کے بعد یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ تاریخ کہنے میں کن کن باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ تاریخ کے مصرع ، شعر یا فقرہ میں کیا کیا خوبیاں ہونا چاہیے اور کن عیبوں سے بچنا چاہیے۔

محض لفظوں کے اعداد جمع کر کے مطلوبہ سن کے برابر کردینا ، چاہے وہ موقع و محل سے کوئی مناسبت رکھتے ہوں یا نہیں ، یہ تاریخ گوئی نہیں ہے۔ کم از کم مستحسن نہیں ہے اور اساتذہ نے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے چنانچہ حضرت جلال فرماتے ہیں:

" جس لفظ یا جن الفاظ کو مادہ تاریخ قرار دیا جائے ، وہ بامعنی ہوں اور مہمل نہ ہوں اور وہ الفاظ کچھ مناسبت بھی ضرور رکھتے ہوں اس واقعہ سے جس کی تاریخ مورخ کو کہنا منظور ہے تاکہ سامع بھی سمجھ جائے کہ یہ تاریخ فلاں امر کی ہے کیونکہ اگر الفاظ مادۂ تاریخ کے مہمل و بے معنی ہوں گے یا کچھ مناسبت اپنے واقعے سے نہ رکھتے ہوں گے تو اس پر اطلاق تاریخ کا کسی طرح نہ کیا جائے گا جیسا کہ اکثر اشخاص الفاظ مہمل ، بے معنی اور الفاظ غیر مناسب

سے کسی واقعہ کی تاریخ پیدا کرتے ہیں ۔ پس یہ درست نہیں اور ناجائز محض ہے کیونکہ سامع کسی طرح مادۂ تاریخ سے نہیں سمجھ سکتا کہ یہ فلاں واقعہ کی تاریخ ہے چنانچہ ایک بزرگ نے مولف (جلال) کے دیوان اول کے طبع کی تاریخ " عزق " (۱۳۰۰ ھ) فرمائی تھی ۔ مولف نے بوجہ اس کی مہملیت کے اپنے دیوان میں اسے داخل نہ کیا یا کسی بزرگ نے کسی مسجد لکھنؤ کی بنا کی تاریخ لفظ " تاریخ " میں کبھی نکالی تھی اور وہ یہ ہے :

شنیدم فائق از خورشید و مریخ
کہ تاریخ بنائے اوست " تاریخ "

۱۲۱۱ ھ

یا کسی نے کسی کی وفات کی تاریخ فی زمانناً لفظ " اقتضا " میں نکالی ہے :

کہہ دو فقط مشیئت خالق کا اقتضا

۱۳۰۲ ھ

پس ملاحظہ ہو کجا طبع دیوان کا سال اور کجا لفظ " عزق " اور کہاں مسجد کی بنا کے سنین اور کہاں کلمہ " تاریخ " اور کہاں وقتِ ارتحال اور کہاں لفظ " اقتضا " ۔ پس ان تاریخوں کے الفاظ کو کسی طرح کی مناسبت اپنے واقعہ سے غور فرمائیے تو ہرگز نہیں ہے اور اس طرح کی تاریخوں کو تاریخ ہرگز مولف ہیچمداں کی رائے ناقص میں نہ کہیں گے "۔

۴۴/ (افادۂ تاریخ ، ص ۵)

دیکھا جائے تو آج کل اسی طرح کی تاریخیں زیادہ کہی جاتی ہیں جن سے یہ پتا ہی نہیں چلتا کہ تاریخ کسی کی ولادت پر کہی گئی ہے یا وفات پر، یا شادی پر یا کسی سند

یا عہدہ کے حصول وغیرہ پر۔ مثلاً معروف شاعر اور تاریخ گو حضرت راغب مراد آبادی نے ہندوستان کے معروف محقق، ادیب اور دانش ور ڈاکٹر تارا چرن رستوگی کے انتقال پر قطعہ تاریخ کہا جو ماہنامہ "طلوعِ افکار" کراچی کی اشاعت بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۹۷ء میں تصحیح شدہ صورت میں حضرت مکرم لکھنوی نے اپنے خط میں درج کیا۔ اس قطعے کے حسبِ ذیل مصرع سے انھوں نے تاریخ نکالی:

"جزو کل تارا چرن رستوگی شیوا بیاں" = ۱۹۹۷ء

اس مصرعِ تاریخ سے ایک تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس موقع پر کہا گیا۔ رستوگی صاحب کی موت پر یا ان کی زندگی میں کسی خاص واقعہ پر۔ دوسرے جزو کل کی لفظیں محض اعداد پورے کرنے کے لیے بھرتی کے طور پر رکھی گئی ہیں اور ان کا اس موقع سے کوئی تعلق اور مناسبت نہیں جس موقع کے لیے تاریخ کہی گئی ہے۔ اس لیے بقول حضرت جلال اس مصرع پر تاریخ کا اطلاق کسی صورت سے نہیں ہو سکتا۔

معروف مرثیہ خواں اور بزرگ شاعر جناب سید سبطِ حسن انجم کی تاریخ وفات بھی راغب صاحب نے یوں کہی:

سید سبط حسن انجم مرثیہ گو رنجیدہ دل

۷۴+ ۷۱+ ۱۱۸+ ۹۴+ ۷۵۵+ ۲۶+ ۲۷۲+ ۳۴ = ۱۴۴۴ھ

یہ تاریخ سہ ماہی "رثائی ادب" کراچی کے نصف صدی نمبر بابت جولائی / ستمبر ۹۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اول تو یہ کہ تاریخ سراسر غلط ہے۔ مصرع کے اعداد ۱۴۴۴ ہوتے ہیں نہ کہ ۱۴۱۸ھ جس سال حضرت سبط حسن انجم کی رحلت ہوئی۔ قطع نظر اس سے اس مصرع سے کوئی یہ سمجھ نہیں سکتا کہ اس تاریخ کا تعلق واقعہ رحلت سے ہے۔ زیادہ سے زیادہ لفظ "رنجیدہ دل" سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شاید خود سبط حسن انجم صاحب کو کوئی صدمہ پہنچا جس پر یہ تاریخ کہی گئی۔ اس لیے اگر اعداد کے اعتبار سے یہ تاریخ صحیح بھی ہوتی تو بھی بقول حضرت جلال اس پر تاریخ کا اطلاق ہرگز

نہیں ہو سکتا ۔ اس کے علاوہ اس مصرع میں ایک واقعاتی غلطی بھی ہے ۔ انجم صاحب کو مرثیہ گو لکھا ہے حالانکہ وہ مرثیہ گو نہیں تھے بلکہ مرثیہ خواں تھے اور دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ اسی طرح جناب شاداں دہلوی کی کہی ہوئی تاریخ بھی اسی شمارے میں ص ۱۳ پر شائع ہوئی ہے اور وہ ہے :

" حضرت سبط حسن انجم شہا"

۱۴۰۸+ ۷۱+ ۱۱۸+ ۹۴+ ۳۰۶ = ۱۹۹۷ء

اس مصرع سے کوئی مفہوم ہی واضح نہیں ہوتا ۔ شہا سے کیا مراد ہے اور انجم شہا کے کیا معنی ہیں ۔ جب تک اس کو مصرع اولیٰ سے ملا کر نہ پڑھا جائے ، مگر بقول جلال مصرع تاریخ کو خود بامعنی ہونا چاہیے ۔

جناب کاشف سہارن پوری کی تاریخ بھی اس شمارے میں ص ۱۵ میں درج ہے :

مرثیہ پڑھنے سلام و منقبت گوئی میں طاق

۷۵۵+ ۲۹۷+ ۱۳۱+ ۶+ ۵۹۲+ ۴۶+ ۱۰۰+ ۱۱۰ = ۲۰۰۷ء

قطع نظر اس سے کہ یہ تاریخ بھی اعداد کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے ، اس مصرع سے بھی کسی کو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ تاریخ کس کے لیے کہی گئی ہے اور کس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے پر کہی گئی ہے ۔ جناب حکیم کاظم زیدی تہن پوری نے حضرت جوش ملیح آبادی کی تاریخ وفات اس مصرع سے نکالی :

علم پختہ کو جوش کہتے ہیں

۱۴۰+ ۱۰۰۷+ ۲۶+ ۳۰۹+ ۴۳۵+ ۶۵ = ۱۹۸۲ء

اس مصرع سے کون سمجھ سکتا ہے کہ یہ حضرت جوش کی تاریخ وفات ہے ۔ اسی طرح حضرت فیض بھرت پوری کی وفات پر جناب حیدر مہدی رضوی کی تاریخ :

" زیب مجلس کے لیئے فیض بھرتپوری بن"

۱۹+ ۱۳۳+ ۳۰+ ۵۰+ ۸۹۰+ ۸۲۵+ ۵۲ = ۱۹۹۹ء

قطع نظر اس سے کہ یہ تاریخ بھی اعداد کے حساب سے غلط ہے، اس سے بھی کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ تاریخ کس موقع پر کہی گئی ہے۔

جناب کسریٰ منہاس جن کی کتاب "فن تاریخ گوئی" اس دور کی کتابوں میں بہت ہی عمدہ اور اہم ہے، حضرت نجم آفندی کی رحلت پر فرماتے ہیں:

درِ یک دانہ نکتہ داں شاعر

۲۰۴+ ۳۰+ ۶۰+ ۴۷۵+ ۵۵- ۵۷۱ = ۱۳۹۵ھ

شاعر نکتہ داں گرامی تبار

۵۷۱+ ۴۷۵+ ۵۵+ ۲۷۱+ ۶۰۳ = ۱۹۷۵ء

اور جناب قدر القادری کا حضرت درد اسعدی کے انتقال پر یہ مصرع تاریخ:

"فخر سخن وقار چمن" درد اسعدی

۸۸۰+ ۷۱۰+ ۳۰۷+ ۹۳+ = ۱۹۹۰ء

اور جناب صابر براری کی حضرت نیاز فتح پوری کے انتقال پر یہ تاریخ:

"فخر ادب نیاز سرمست برگزیدہ"

۸۸۰+ ۷+ ۶۸+ ۷۶۰+ ۲۴۸ = ۱۹۶۳ء

وغیرہ

مندرجہ بالا تاریخوں سے کوئی قاری یا محقق یہ پتا نہیں چلا سکتا کہ یہ تاریخیں کن واقعات کی مناسبت سے کہی گئی ہیں۔ ایسی ہی تاریخوں پر حضرت جلال نے تاریخ کے اطلاق کو مسترد کیا ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر تاریخ گو حضرات کو تاریخ کہتے وقت حسب ذیل نکات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

(۱) مادہ تاریخ یا مصرع تاریخ میں موصوف کا نام ضرور آنا چاہیے۔

(۲) یہ بہتر ہے کہ نام اس طرح سے آئے جس طرح شہرت رکھتا ہو۔

(۳) بہتر ہے کہ نام کی مناسبت سے تاریخ میں کوئی بات پیدا کی جائے اور

اس میں ایسی لفظیں لائی جائیں جن سے اس میں حسن یا شعریت پیدا ہو جائے ۔

(۴) مصرع تاریخ سے لازماً یہ پتا چلنا چاہیے کہ تاریخ کس موقع پر کہی گئی ہے

(۵) تاریخ میں موقع کی مناسبت سے لفظیں استعمال کی جائیں ۔

(۶) حتی الامکان مادۂ تاریخ کو بھرتی کے لفظوں سے پاک رکھا جانے اور مصرع یا شعر رواں اور برجستہ ہو ۔

(۷) مادۂ تاریخ بے معنی اور مہمل نہ ہو ۔

(۸) مادۂ تاریخ میں قول شاعر کو شامل نہ ہونا چاہیے ۔

(۱) مادۂ تاریخ یا مصرعِ تاریخ میں موصوف کا نام ضرور آئے :

یہ اس لیے ضروری ہے کہ پورے قطعہ تاریخ کو کوئی یاد نہیں رکھتا اور نہ عموماً اس کا حوالہ دیا جاتا ہے ۔ تاریخ گوئی کی کتابوں کے مطالعے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ مولفین اور مصنفین عموماً صرف مصرع تاریخ یا مادۂ تاریخ درج کرتے ہیں ۔ پورا قطعہ تاریخ یا نظم درج نہیں کرتے ۔ لہذا مصرع تاریخ ہی سے پتا چلنا چاہیے کہ تاریخ کس کے لیے کہی گئی ہے ۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اساتذہ نے بہت سی ایسی تاریخیں کہی ہیں جن میں نظم یا قطعہ تاریخ میں تو موصوف کا نام آتا ہے مگر مصرع تاریخ میں نہیں ۔ یہ سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اساتذہ نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی ہے مگر بہرحال بہتر یہی ہے ، خصوصاً تحقیقی نقطہ نظر سے ضروری ہے کہ مادہ تاریخ میں موصوف کا نام آئے تاکہ قاری و محقق کو یہ پتا چل سکے کہ تاریخ کس کے لیے کہی گئی ہے اور وہ یہ جاننے کے لیے پہلے مصرع یا پورے قطعہ تاریخ کا محتاج نہ رہے ۔ اساتذہ نے اگر اس کی پابندی نہیں کی تو اس کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں پورے پورے قطعات تاریخ کو دلچسپی سے پڑھنا اور یاد رکھنا اس وقت کے اعلیٰ شعری و ادبی ذوق کا تقاضا تھا جو اب تقریباً مفقود ہے ۔ اسی لیے ایک مکمل مصرع تاریخ کی اہمیت اس زمانے میں

بڑھ گئی ہے ۔ اس کی مثال بھی ملاحظہ کر لیجیے ۔ بات واضح ہو جائے گی ۔ میں نے اسی کتاب میں ہمزہ اور یائے تحتانی کی بحث میں اور دیگر مقامات پر اساتذہ کی کچھ تاریخیں نقل کی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

۱) "گل ہوئی شمع مرثیہ گوئی" (شاد لکھنوی)

۲) "گل ہوئی شمع خاندان انیس" (کمال لکھنوی)

۳) "دلی کا چراغ بجھ گیا آہ" (سرکش پرشاد)

۴) "مرد ہے ہے سخنور کامل" (جلال لکھنوی)

۵) "پنجشنبہ مہہ ذی الحجہ سال" (داغ دہلوی) وغیرہ

"افادۂ تاریخ"، "فن تاریخ گوئی" اور "فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت" وغیرہ ان سب کتابوں میں بس یہی تاریخی مادے درج کیے گئے ہیں ۔ پورے پورے قطعات یا مصرعے اولیٰ تک درج نہیں ۔ ان مصرعوں سے یہ کیسے پتا چل سکتا ہے کہ یہ کس کس کے لیے کہے گئے اور کس کس کے انتقال کی تاریخ ان سے حاصل ہوتی ہے ۔ اگر مادوں میں مرحومین کے نام بھی ہوتے تو یہ مشکل نہ پیش آتی ۔

میرا خیال ہے کہ کسی تاریخ گو کو اس سے اختلاف نہیں ہونا چاہیئے ۔ ہاں تاریخ گوئی کی پابندیاں اس میں حائل ہو جائیں یا ایک بہت ہی رواں اور برجستہ مادۂ تاریخ ہاتھ آئے جس میں ممدوح یا مرحوم کا نام نہ ہو تو مصرع تاریخ کی روانی اور برجستگی برقرار رکھتے ہوئے مصرع اولیٰ میں نام نظم کر دیا جائے ۔ اگر قطعۂ تاریخ چار مصرعوں کا ہو تو کسی مصرع میں بھی نام نظم کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ صرف چار مصرعوں کا یاد رکھنا اتنا مشکل نہیں ہے ۔ بعض نام تلمیح کی صورت میں بھی آجاتے ہیں جو مادۂ تاریخ کا حصہ ہوتے ہیں ۔ مثلاً ایک شاعر کے نام اور تخلص کی رعایت سے کسی نے تاریخ کہی "عزیز یوسف مصر سخن" یا میں نے نواب یوسف حسین صاحب کی تاریخ کہی "دیکھنا اب جلوۂ یوسف سر بازار خلد" یا ابو طالب کلیم کی تاریخ "طور معنی بود روشن از کلیم" کہی گئی ۔ اس طرح نام آنا نہ صرف کافی ہے بلکہ اس سے تاریخ میں تلمیح کا حسن پیدا ہو جاتا ہے ۔ البتہ پورے نام کی وضاحت قطعۂ تاریخ میں کہیں نہ کہیں کر دینا چاہیئے ۔

(۲) نام کو اس طرح نظم کرنا جس طرح اس کی شہرت ہو:

یہ بھی ضروری ہے تاکہ تاریخ کی موصوف کے ساتھ تخصیص ہوسکے اور عمومیت کی وجہ سے اس نام کے ہر شخص پر اس کا اطلاق نہ ہو۔ اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس طرح ایک نام کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی ہوتے ہیں اسی طرح محدود طبقہ مثلاً طبقۂ شعرا میں ایک ہی تخلص کے کئی شاعر گزرے ہیں یا ہیں۔ مثلاً ساحر لدھیانوی، ساحر فیض آبادی اور ساحر لکھنوی وغیرہ یا فیض احمد فیض، فیض بھرت پوری اور فیض امروہوی وغیرہ۔ محققین کو اسی لیے گذشتہ شعرا کے حالات کی تحقیق میں یہ مشکل اکثر پیش آتی ہے کہ فلاں کلام یا فلاں تاریخ ہم تخلص شعرا میں سے کس کی ہے۔ اسی بنا پر ایک دفعہ عہد موجود کے ایک نہایت خوش فکر اور صاحب علم بزرگ شاعر اور تاریخ گو میرے خاص کرم فرما حضرت ثاقب مظفرپوری مدظلہ نے مجھ سے امتحاناً پوچھا کہ علامہ جمیل مظہری مرحوم کے لیے جو تاریخ کہی جائے اس میں ان کا نام صرف جمیل نظم کرنا کافی ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کی، کیا تو جاسکتا ہے مگر وہ تاریخ ان سے مخصوص نہ ہوگی بلکہ اس سال انتقال کرنے والے جمیل نام کے سارے مرحومین پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اس لیے میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ تاریخ میں نام اسی طرح آئے جس طرح اس کی شہرت ہے۔ وہ میرے اس جواب سے خوش ہوئے اور میری تائید فرمائی۔ چنانچہ میں نے صنعت تعمیہ تدخلہ میں علامہ جمیل مظہری کی تاریخ یوں کہی:

خلد سے دی بائے بسم اللہ نے بڑھ کر صدا

۲

"آگئے جنت میں علامہ جمیل مظہری"

+۳۱ +۴۵۳ -۱۰۰ +۱۳۶ +۸۳ ۱۱۵۵ = ۱۹۷۸

+ ۲

= ۱۹۸۰

اسی طرح میں نے اپنے ایک جد سید العلماء مولوی سید علی نقی نقوی (مولوی نقن صاحب) اعلیٰ اللہ مقامہ کی تاریخ انتقال سالم الاعداد پورے ایک شعر سے نکالی جو گذشتہ اوراق میں درج کی جاچکی ہے۔ اس میں ان کا نام اسی طرح استعمال کیا جس طرح وہ مشہور تھا:

جہان زشت سے گزرے وہ سیدالعلما

۵۹+ ۷۰۷+ ۶۰+ ۲۳۷+ ۱۱+ ۲۴۶ = ۱۳۳۰

جناب مولوی سید علی نقی نقوی

۵۶+ ۹۲+ ۷۴+ ۱۱۰+ ۱۶۰+ ۱۶۶ = ۶۵۸

= ۱۹۸۸ء

یا جناب کوثر نقوی نے میرے خاندان کے ایک معروف فرد اور مقبول عام خطیب و عالم دین جناب علامہ نصیر الاجتہادی اعلیٰ اللہ مقامہ کی تاریخ وفات معروف نام کے ساتھ سالم الاعداد مصرع سے یوں نکالی:

"نصیر الاجتہادی اب قضا کے سائے میں پہنچے"

۳۵۰+ ۴۵۵+ ۳+ ۹۰۱+ ۳۰+ ۷۱+ ۱۰۰+ ۷۰ = ۱۹۸۰ء

جہاں تک اس تاریخ کے اعداد کا تعلق ہے وہ صحیح نہیں ہیں اس لیے کہ علامہ نصیر الاجتہادی اعلیٰ اللہ مقامہ کا انتقال ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور یہی اعداد جناب کوثر نقوی نے مصرع تاریخ کے نیچے درج کیے ہیں جو ان کے مجموعہ کلام " دارِ عشق" میں ص ۱۵۶ پر شائع ہوا ہے۔ غالباً انھوں نے اس مصرع میں " سائے" کی یائے مجہول کے بیس عدد محسوب کیے ہیں جو قاعدہ تاریخ گوئی کے خلاف ہے۔ گذشتہ صفحات میں اس پر بحث کی جاچکی ہے۔ کوثر نقوی صاحب نے آیت اللہ خمینیؒ کے انتقال کی جو تاریخ اپنی کتاب کے اسی صفحہ پر شائع کی ہے وہ بھی غلط ہے مگر اس میں ایسی غلطی ہے جیسی غلطیوں کی نشاندہی ڈاکٹر فرمان فتح پوری وغیرہ کی کتابوں میں کی جاچکی ہے۔ یعنی مادۂ تاریخ اور اعداد میں مطابقت کرنے میں احتیاط نہ کرنے سے تاریخ کچھ کی کچھ ہوگئی۔

ان کا مادہ تاریخ ہے:

" مل نہیں سکتا خمینی کا جواب"

اس کے اعداد ۱۴۰۹ ہوتے ہیں، مگر کتاب میں اس کے نیچے لکیر کھینچ کر ۱۹۸۷ء لکھ دیا گیا جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ دراصل انھوں نے تاریخ ہجری سن میں نکالی اور وہ ۱۴۰۹ کے حساب سے صحیح ہے لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے مصرع کے نیچے عیسوی سن لکھ دیا گیا۔ ایسی بے احتیاطی سے ایک صحیح تاریخ غلط ہو گئی۔ ہر قاری تو سن ہجری سے اس کی مطابقت کر کے اس کی تصحیح نہیں کرے گا اور شاعر کو الزام دے گا کہ اس نے تاریخ غلط کہی۔

میں نے یہ دو باتیں کہ مادہ تاریخ میں موصوف کا نام ضرور آنا چاہیے اور یہ کہ نام اسی طرح آنا چاہیے جس طرح اس کی شہرت ہو، کلیہ کے طور پر لکھی ہیں مگر ہر کلیہ میں استثناء ہوتا ہے۔ اگر کوئی بہت رواں، برجستہ، بامحاورہ اور شاعرانہ حسن کا حامل کوئی مصرع یا مادہ تاریخ ایسا نکلے جس میں موصوف کا نام نہ آتا ہو تو اس صورت میں مصرع اولیٰ میں بہرحال یہ کمی پوری کر دینا چاہیے اور یہ واضح کر دینا چاہیے کہ یہ مادہ تاریخ کس کے بارے میں ہے۔ اس طرح سے اگر کسی عمدہ تاریخ میں نام اس طرح نہ آئے جس طرح مشہور ہے تو چنداں حرج نہیں، جیسے ابو طالب کلیم کی وفات پر تاریخ " طور معنی بود روشن از کلیم" سے یا مرزا یوسف علی خاں عزیز کی تاریخ " عزیز یوسف مصر سخن" سے نکالی گئی یا نواب یوسف رضا رضوی کی تاریخ وفات میں نے یوں کہی " دیکھنا اب جلوۂ یوسف سر بازارِ خلد"۔ ان تاریخوں میں نام اس طرح نہیں آئے ہیں جس طرح مشہور تھے مگر ان کی مناسبت سے مادہ تاریخ میں شاعرانہ رخ بھی پیدا ہوا ہے اور تلمیح کا حسن بھی ہے اس لیے ان میں ایسی خوبی پیدا ہو گئی ہے کہ پورا نام نہ آنا اتنا اہم نہیں رہا۔

(۳) نام کی مناسبت سے تاریخ میں کوئی بات پیدا کرنا:

یہ ضروری تو نہیں ہے مگر ہو تو بہت اچھا ہے۔ یہ بھی خلاقی مضامین کی ایک

صورت ہے اور اس سے تاریخ میں بڑا حسن اور دل کشی پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ اوپر دی ہوئی مثالوں سے ظاہر ہے ۔یوں تاریخ محض ایک بے لطف حسابی جملہ بن کے نہیں رہ جاتی ۔چند مثالیں اور ملاحظہ کیجیے:

نواب غازی الدین حیدر شاہ بادشاہ اودھ نے لکھنؤ میں حیدرِ کرار حضرت علیؑ کے روضہ مبارک نجف اشرف کی شبیہ تعمیر کروائی اور اس کا نام شاہ نجف رکھا انتقال کے بعد غازی الدین حیدر اسی میں دفن ہوئے ۔ان کے نام کے ایک جزو حیدر اور مقام دفن شاہ نجف کی مناسبت سے ایک ہندو شاعر لالہ صاحب رائے فریاد لکھنوی نے تاریخ کہی:

از روئے بکا و آہ گفتم
" حیدر بنجف مقام بگرفت"

حالانکہ یہ تاریخ تعمیہ بتدخلہ میں ہے مگر موصوف کے نام اور مقام دفن کی رعایت سے تاریخ میں ایسا حسن پیدا ہوگیا جس کی داد نہیں دی جاسکتی ۔اسی طرح خلیل الرحمن نامی کسی بزرگ نے موضع ردولی (یو۔پی) میں ایک مسجد تعمیر کروائی ۔شاعر نے بانی مسجد کے نام کی رعایت سے کیسی خوبصورت تاریخ کہی:

" کعبہ در ہند بنا کرد خلیل"

جملتہ الملک محمد ابراہیم اسد خاں نے اپنے فرزند امیر الامرا محمد اسمٰعیل ذوالفقار خاں کی تاریخ وفات اپنے اور بیٹے کے ناموں کی مناسبت سے یوں کہی:

ہاتف شام غریباں با دو چشم خوں فشاں
گفت ، " ابراہیم اسمٰعیل را قرباں نمود"

جناب سید صادق صاحب خلف سلطان العلما سید محمد صاحب اعلیٰ اللہ مقامہم کی تاریخ وفات مفتی محمد عباس صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے باپ بیٹے کے ناموں کی مناسبت سے یوں کہی:

"رسم عزائے صادق آل محمد است"

۳۰۰ ۸۸ ۱۹۵ ۳۱ ۹۲ ۴۶۱ = ۱۱۶۷ھ

ایسی ہی ایک تاریخ شمس الدولہ محمد ابراہیم خاں کی شہادت کے بارے میں کہی گئی وہ انگریز ریزیڈنٹ کے یہاں بادشاہ اودھ کے سفیر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے۔ غدر کے زمانے میں ۲ شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو درگاہ حضرت عباسؑ لکھنؤ میں نماز پڑھتے ہوئے حالتِ سجدہ میں شہید کر دیئے گئے۔ شجاعت لکھنوی نے ان کے نام ابراہیم کی مناسبت سے تاریخ کہی اور اس میں تلمیح کا حسن پیدا کر دیا:

بدل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ

"شد سیہ پوش حرم از الم ابراہیم"

یہ تاریخ تعمیہ بتدخلہ میں ہے۔ شاعر نے بدل چاک کہہ کے چاک کے الف کا ایک عدد تاریخ میں داخل کر دیا اور یوں بڑے حسن سے تعمیہ بتدخلہ سے کام لیا۔

تاریخ گوئی میں شاعرانہ حسن کی ایک اور بہت خوب صورت مثال میرے والدِ گرامی جنت مکان جناب نواب سید اختر حسین صاحب، تخلص مصور لکھنوی اعلیٰ اللہ مقامہ کی تاریخ وفات ہے جو میرے ایک بزرگ خاندان اور اپنے وقت کے نام ور اور ماہر فن شاعر حضرت علی یاور صدر اجتہادی اعلیٰ اللہ مقامہ نے کہی تھی۔ انھوں نے میرے والدِ گرامی کے اسم مبارک، لکھنؤ سے ان کی نسبت جو اودھ کا صدر مقام ہے، شام اودھ کی شہرت اور لاہور میں ان کا انتقال، ان سب باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسا مادہ تاریخ نکالا جس کی برجستگی، روانی اور مناسبات نے اسے بے مثال شاعرانہ حسن عطا کر دیا۔ تاریخ ملاحظہ ہو:

آہ! اے چرخ ستم ایجاد تیرے دور میں

"کھو گیا اب اختر شام اودھ لاہور میں"

۱۹۶۵ء

اسی طرح راقم الحروف نے معروف شاعر حضرت نجم آفندی کی تاریخ وفات ان کے تخلص کی مناسبت سے اس طرح کہی:

سالِ رحلت کے لیے قبر پہ لکھ دو ساحر
"نجم ہے دامنِ مدفن میں ستارے کی طرح"

۱۳۹۵ھ

اسی طرح اپنے وقت کے مقبول منقبت نگار شاعر حضرت ثمر ہوشنگ آبادی کی دو تاریخیں میں نے ان کے تخلص کی مناسبت سے یوں کہیں:

ثمر کو مدحِ پیمبرؐ کا پھل جناں میں ملا

۷۴۰ + ۲۶ + ۵۲ + ۲۵۴ + ۲۱ + ۳۷ + ۱۰۴ + ۱۰۰ + ۷۱ = ۱۴۰۵ھ

اور:

یہ لحد ہے یا ثمر باغِ جناں کا اک جواب

۱۵ + ۴۲ + ۱۵ + ۱۱ + ۷۴۰ + ۱۰۰۳ + ۱۰۴ + ۲۱ + ۲۱ + ۱۲ = ۱۹۸۴ء

معروف و صاحبِ علم شاعر پروفیسر منظور حسین شور کی تاریخ وفات بھی میں نے ان کے تخلص کی نسبت سے یوں کہی:

بزمِ ادب میں خاموشی ہے شور جو اب مجلس میں نہیں

۴۹ + ۷ + ۱۰۰ + ۹۵۷ + ۱۵ + ۵۰۶ + ۹ + ۳ + ۱۳۳ + ۱۰۰ + ۱۱۵ = ۱۹۹۴ء

اپنے ایک محب و کرم فرما جناب سید محمد ابراہیم صاحب کے انتقال پر میں نے اس مصرع سے تاریخ نکالی:

درِ خلیلؑ پہ ہیں اب جناں میں ابراہیم

۲۰۴ + ۶۷۰ + ۷ + ۶۵ + ۳ + ۱۰۴ + ۱۰۰ + ۲۵۹ = ۱۴۱۲ھ

اسی طرح کی ایک تاریخ میں نے بہت ہی خوش فکر اور معروف و مقبول شاعر اور بہت اچھے انسان حضرت ضو کلیمی کے انتقال پر ان کے تخلص کی مناسبت سے یوں کہی:

دی صدا ہاتف نے ساحر ختم ہے اب انتظار
"روشنیِ فردوس میں ہے ضو کلیمی آگئے"

۵۶۶ + ۳۵۰ + ۱۰۰ + ۱۵ + ۸۰۶ + ۱۱۰ + ۴۱ = ۱۹۸۸ء

میں نے اپنے والد گرامی کی تاریخ وفات نواب ہونے کے حوالے سے یوں کہی:

نواب اختر حسین صاحب جتاں کی جاگیر پا گئے ہیں۔

۵۹ + ۱۲۰۱ + ۱۲۸ + ۱۰۱ + ۱۰۴ + ۳۰ + ۲۳۴ + ۴۳ + ۶۵ = ۱۹۶۵

معروف شاعر اور عالم دین حضرت راہی جہانگیر آبادی کی تاریخ بھی ان کے تخلص کے پیش نظر یوں کہی:

"مل گئی راہی کو ساحر خلد کی منزل" لکھو

۷۰+ ۴۰+ ۲۱۶+ ۲۶+ ۲۶۹+ ۶۳۴+ ۳۰+ ۱۲۷+ = ۱۴۱۲ھ

مندرجۂ بالا تمام تاریخوں سے یقیناً یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ اگر تاریخ میں نام یا تخلص کی مناسبت سے کوئی بات پیدا کی جائے یا ایسے لفظ تاریخ میں لائے جائیں جو نام یا تخلص سے مناسبت رکھتے ہو تو تاریخ یقیناً ایک خشک حسابی فقرہ بن کے نہیں رہ جاتی بلکہ اس میں ایک خاص کیف اور شعریت پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں تاریخ گوئی میں اس کو ایک تخلیقی عمل بلکہ تخلیقی شاعری قرار دیا جا سکتا ہے، ورنہ تاریخ گوئی بذاتِ خود ایک تخلیقی عمل ہوتے ہوئے بھی اکثر تخلیقی شاعری کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔

نام ہی کی طرح کسی خاص واقعہ یا حقائق کے پس منظر میں بھی کوئی لطیف گوشہ پیدا کر کے مادۂ تاریخ کو دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک بہت عمدہ مثال یہ ہے کہ متو نام کی ایک طوائف نے اپنے پیشہ کی حرام کمائی سے ایک مسجد بنوائی۔ کسی ستم ظریف شاعر نے اس کی تاریخ یوں کہی:

ز کسبِ خاص متو ساخت مسجد
بحرالبش دخول خاص و عام است
پئے تاریخ چوں من فکر کردم
ندا آمد کہ "این بیت الحرام است"

بیت الحرام خانہ کعبہ کو کہتے ہیں۔ شاعر نے یہ لفظ دو معنوں میں استعمال کی۔ دوسرے معنی میں حرام کی کمائی سے بنائی ہوئی مسجد کو بیت الحرام کہہ کے نہایت لطیف گوشہ پیدا کر دیا۔

جناب شوکت الہ آبادی نے "معاون تواریخ" میں مندرجۂ بالا قطعہ اسی طرح نقل کیا ہے، مگر جناب عاکف سہارن پوری مرحوم کے قلمی ذخیرۂ تواریخ میں طوائف کا نام متو کے بجائے حشمت لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا نام حشمت اور عرفیت متو ہو۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں دخول کی جگہ سجود ہے۔ تیسرا مصرع بھی مختلف مگر مصرع تاریخ یہی ہے۔

(۴) مصرع تاریخ سے یہ پتا چلنا کہ تاریخ کس موقع پر کہی گئی ہے:

یہ نہایت ضروری ہے اس لیے کہ اس کے بغیر قاری یا محقق کو کیسے معلوم ہو گا کہ اس مادۂ تاریخ میں کسی کی وفات کا سال محفوظ کیا گیا ہے یا ولادت کا یا کسی اور واقعہ کا۔ ایسی تاریخوں کی مثالیں حضرت جلال کے نقطہ نظر کے ذیل میں گذشتہ سطور میں درج کی جا چکی ہیں خود حضرت جلال کے بیان میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

(۵) تاریخ میں موقع کی مناسبت سے لفظیں استعمال کرنا:

یہ یقیناً بہت ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ تاریخ وفات میں مسرت خیز اور خوشی کے موقع پر الم انگیز لفظ آئیں یا کسی عزت و شرف کی بات کو ہائے یا وائے کہہ کے اور کسی دکھ کی بات پر واہ وا اور سبحان اللہ کہہ کے مادۂ تاریخ پیدا کیا جائے۔ مثلاً شاعر آل محمدؐ حضرت نسیم امروہوی کے انتقال پر جناب صفدر حسین آصف نے تاریخ کہی:

وائے مرگ عاشق سرورؐ بہ اوج و احتشام

یہاں اوج و احتشام کے ساتھ وائے کی لفظ کس قدر نامناسب ہے۔ جناب صفدر حسین آصف بڑے باکمال تاریخ گو تھے، مگر یہاں نہ جانے کیوں چوک گئے۔

(۶) مصرع تاریخ یا مادۂ تاریخ کو بھرتی کی لفظوں سے پاک رکھنا بھی تاریخ

گوئی کی خوبی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ شاعر تاریخ گوئی میں بڑی حد تک مجبور ہوتا ہے لیکن حتی الامکان کوشش یہی کرنا چاہیے کہ مصرع رواں اور برجستہ ہو ۔ یہ تاریخ گوئی کا حسن ہے ۔ اس کی ایک خوبصورت مثال جناب شاہد نقوی کا مصرع تاریخ ہے جو گذشتہ اوراق میں نقل کیا جاچکا ہے ۔ یہ مصرع انھوں نے میرے ایک جد اور برِ صغیر کے عظیم المرتبت مجتہد سید العلما جناب مولانا سید علی نقی صاحب عرف مولوی نقن صاحب طاب ثراہ کے انتقال پر کہا:

" زندہ رہیں گے ذہنِ بشر میں علی نقی"

اپنی روانی اور برجستگی کی بنا پر یہ خود تاریخ میں زندہ رہنے والا مصرع تاریخ ہے ۔

اسی طرح جناب محترم مولانا سید محمد باقر صاحب شمس لکھنوی مدظلہ العالی نے میرے مجموعہ قصائد "صحیفۂ مدحت" کی تاریخ طبع کس قدر برجستہ کہی:

" ہے گل ریاضِ ہنر کا صحیفۂ مدحت"

۱۵+ ۵۰+ ۱۰۱۱+ ۲۵۵+ ۲۱+ ۱۹۳+ ۴۵۲ = ۱۹۹۷ء

اسی طرح میرے جد امجد استاذ الاساتذہ نواب مولوی سید اصغر حسین صاحب فاخر لکھنوی اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنے پانچویں دیوان کی تاریخ طبع بالکل سہل ممتنع بنا دی:

" ہاں خوب چھپا پانچواں دیوان غزل"

۵۶+ ۶۰۸+ ۱۱+ ۱۱۳+ ۷۱+ ۱۰۳۷ = ۱۸۹۶ء

معروف مرثیہ نگار اور منفرد لب و لہجے کے شاعر حضرت سید آل رضا کے انتقال پر میں نے جو تاریخ کہی ، اس کو علاوہ دوسرے اہل نظر حضرات کے جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد رضا کاظمی نے اپنی کتاب "جدید اردو مرثیہ" میں اور دیگر مقامات پر "معجزۂ ہنر" قرار دیا ہے اور اس کا سبب صرف مصرع کی روانی اور برجستگی ہے:

صاف تاریخ لکھ دو اے ساحر

" سید آل رضا بہشت میں ہیں"

۷۴+ ۳۱+ ۱۰۰۱+ ۷۰۷+ ۱۰۰+ ۶۵ = ۱۹۷۸ء

اسی طرح میں نے اپنی والدۂ گرامی جنت مکانی کی تاریخ وفات یوں کہی:

" جنابِ شہر بانو صاحبہ پہنچی ہیں جنت میں"

۵۶+ ۵۰۵+ ۵۹+ ۱۰۶+ ۶۰+ ۶۵+ ۴۵۳+ ۱۰۰.. = ۱۴۱۴ھ

یا معروف شاعر حضرت روشن لکھنوی کے انتقال پر میں نے یوں تاریخ کہی:

" گل ہوا ہے ہے وہ اک روشن چراغ لکھنو"

۵۰+ ۱۲+ ۱۵+ ۱۵+ ۱۱+ ۲۱+ ۵۵۶+ ۱۲۰۴+ ۱۱۱ = ۱۹۹۵ء

یا کراچی میں دہشت گردی کا نشانہ بننے والے ڈاکٹر پرویز اختر نقوی کی تاریخ شہادت میں نے یہ کہی:

" ڈاکٹر پرویز نے پائی حیاتِ جاوداں"

۶۲۵+ ۲۲۵+ ۶۰+ ۲۳+ ۴۱۹+ ۶۵ = ۱۴۱۷ھ

مندرجۂ بالا مثالوں سے تاریخ کے مصرعوں میں روانی اور برجستگی کی تھوڑی بہت اہمیت اور خوبی واضح ہو گئی ہو گی۔

(۸) مادۂ تاریخ میں قولِ شاعر کو شامل نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے اس لیے کہ قاری ایسی لفظوں کو مادۂ تاریخ میں شامل نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً یہ لکھو، کہو ہاتف نے کہا، تاریخ پکاری وغیرہ ایسی لفظیں ہیں جو قولِ شاعر کے زمرے میں آتی ہیں اور ان کو مادۂ تاریخ میں شامل کرنا غلط ہے چنانچہ حضرت جلال افادۂ تاریخ میں لکھتے ہیں:

" تاریخ کی موزونیت کے لیے جو مورخ زیادہ مادۂ تاریخ سے کچھ الفاظ لے آتا ہے مانند کاف بیانیہ (کہ) و گفت و گفتا و نوشت و نوشتہ و بگو و بخواں وغیرہ کے یا ہندی میں مانند کہہ اور پڑھ اور بولا اور کہا اور لکھا وغیرہ کے یا مثل فلک، ملک، ہاتف، سروش، طبع، عقل، خرد (اور) تخلص مورخ وغیرہ کے۔ پس ان کے عدد مادۂ تاریخ میں محسوب نہ ہوں گے۔ چنانچہ ان تاریخوں میں شیخ ناسخ

مرحوم کے صرف اسی قبیل کے الفاظ موزونیت مصرع تاریخ کے واسطے آگئے ہیں اور مادۂ تاریخ میں ان کے اعداد محسوب نہ ہوں گے :

ولا سال تاریخ جشنش بگو
کہ ، " این کتخدائی ہمایوں بود"

سالِ تاریخ پئے رحلتِ شاہِ عالم
گفت دل " زیر زمیں بادشہ کشور ہند"

سال تاریخ عروسی ناسخ
" کتخدا شد مرزا یم" نبوشت

پئے سالِ ہمایونِ جلوسش
بگو ناسخ کہ " ظل اللہ گردید"

پئے سال ولادت طبع ناسخ
بگفتا ، " کوکبِ برج شرافت"

تاریخ اس ضریح کی مطلوب جب ہوئی
بولے ملک ، " ضریح قبولِ امامؑ ہے"

(ص ۳۰ ـ ۳۱)

اس اقتباس سے یہ اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ مادۂ تاریخ میں قول شاعر کو شامل کرنا قطعاً جائز نہیں بلکہ صریحاً غلط ہے ـ اس لیے تاریخ گو شعرا کو اس سے احتراز کرنا چاہیے ـ

خاتمہ کلام میں اس افسوسناک حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ بعض شعرائے کرام مجالس و محافل میں قطعہ تاریخ کے نام سے کوئی ایسی نظم پیش کر دیتے ہیں اور مادۂ تاریخ کے نام سے ایسا مصرع پڑھ دیتے ہیں جس کا تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ـ مصرع کی روانی اور برجستگی پر اس کو مادۂ

تاریخ سمجھ کر سامعین ان کو خواب داد بھی دیتے ہیں، اس لیے کہ ان میں سے بیشتر تاریخ گوئی کے فن سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو واقف ہوتے بھی ہیں ان کی لیے بھی مصرع سنتے ہی اس کا حساب لگانا اور یہ دیکھنا ممکن نہیں ہوتا کہ مصرع میں مادۂ تاریخ ہے بھی یا نہیں ۔ البتہ کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے کہ شاعر کے جہل کی بنا پر جاننے والوں کو فوری طور پر بھی پتا چل جاتا ہے کہ مصرع کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ ایسا ہی ایک واقعہ معروف شاعر، ادیب اور صحافی اور میرے بڑے اچھے دوست اور کرم فرما جناب حسین اعظمی مرحوم نے مجھے سنایا تھا کہ شاعر نے مصرع تاریخ کہہ کے مصرع پڑھا جس میں اتفاق سے دو غین (غ) جمع ہوگئے تھے ۔ انھیں کے دو ہزار عدد ہوگئے تو شاعر موصوف کا جھوٹ کھل گیا ۔ یہ ادبی بددیانتی کی ایسی مثال ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے ۔ مگر اس طرح کے بعض ان شعرائے کرام کی دیدہ دلیری تو حیرت ناک ہے جو ایسے قطعات کو اخبارات اور رسائل میں بھی شائع کروا دیتے ہیں ۔ عنوان میں " قطعہ تاریخ" لکھا اور آخری مصرع کے نیچے لکیر کھینچ کے سال وقوع لکھ دیا ۔ چلیے چھٹی ہوئی ۔ چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد ۔ عام قاری تو اس پر توجہ نہیں دیتا، مگر جاننے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی ۔ مثلاً حضرت فیض احمد فیض کے انتقال پر اخبارات میں کئی قطعات تاریخ چھپے ۔ ایک نو مشق شاعر کی کہی ہوئی تاریخ کو دیکھا تو پورے سو سال کا فرق تھا ۔ حضرت راغب مراد آبادی جیسے معروف تاریخ گو کا قطعہ تاریخ جناب حسین اعظمی کے انتقال پر اخبارِ جنگ کراچی، مورخہ ۳۰ مارچ ۹۷ء میں شائع ہوا ۔ مصرع تاریخ یہ ہے کہ:

" حبیب جام عشق تھے بھلے حسین اعظمی "

مصرع کے نیچے لکیر کھینچ کر ۱۹۹۷ء لکھا ہوا ہے ۔ حبیب جام اور بھلے کی معنویت اور فصاحت سے قطع نظر مصرع کے اعداد ۱۹۹۷ء کے بجائے ۲۱۴۷ء ہوتے ہیں ۔ حضرت راغب جیسے تاریخ گو کے بارے میں سوئے ظن مناسب نہیں، مگر کیا کیا جائے کہ

اخبار میں یونہی چھپا ہے اور مرحوم کی مجلس چہلم کے رقعہ میں بھی۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت رئیس امروہوی جیسے بڑے شاعر کا قطعۂ تاریخ اخبار جنگ کراچی مورخہ ۲۱ نومبر، ۱۹۸۴ء میں بہ عنوان " قطعۂ تاریخ وفات فیض احمد فیض" چھپا جس میں چوتھے مصرع کے نیچے لکیر کھینچ کر ۱۹۸۴ء لکھا ہوا تھا۔ چوتھا مصرع یہ تھا:

" ماہِ محفل فیض احمد فیض تھا"

۴۶+ ۱۵۸+ ۸۹۰+ ۵۳+ ۸۹۰+ ۴۰۶ = ۲۴۴۳

اس مصرع کے اعداد ۱۹۸۴ کے بجائے ۲۴۴۳ ہوتے ہیں۔ حضرت رئیس امروہوی جیسے شاعر سے یہ توقع کرنا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کریں گے، سوء ظن کے مترادف ہوگا۔ معلوم نہیں یہ سانحہ کیسے پیش آیا، مگر بعد میں بھی اس کی کوئی تصحیح یا تردید اخبار میں شائع نہیں ہوئی۔

یہ واقعے تو ادبی یادگار کے طور پر درج کر دیے گئے، لیکن جو شعرائے کرام ارادۃً اور جان بوجھ کر ایسے مصرعے تاریخ کے مصرعے کہہ کے پڑھ دیتے ہیں اور کبھی کبھی چھپوا بھی دیتے ہیں ان کو اس بددیانتی سے احتراز کرنا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ ہر شاعر تاریخ گو بھی ہو، لیکن اگر تاریخ گوئی کا شوق ہو تو اس کو تاریخ گوئی کے سارے اصولوں کو مدِنظر رکھ کر صحیح تاریخ کہنا چاہیے تاکہ آنے والے زمانے کے قاری اور محقق کو صحیح صورتِ حال سے آگاہی ہو اور غلط تاریخوں سے وہ گم راہ نہ ہو۔

وما علینا الا البلاغ ○

الحمد للہ کہ مندرجہ بالا سطور کے ساتھ تاریخ گوئی کے رموز و نکات، حسن و قبح، اختلافی مسائل اور اصول و قواعد کا تنقیدی جائزہ، ان پر تفصیلی بحث اور محاکمہ کے ذریعے حتمی فیصلوں کے مرحلے تکمیل کو پہنچے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں تاریخ گوئی کے فن پر ہر پہلو سے گفتگو کی جائے اور کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ

جائے۔

مجھے اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی اور حکیم میر مہدی حسین الم شاگرد حضرت داغ جیسے جلیل القدر اساتذۂ فن کے اقوال و نظریات کا تنقیدی جائزہ لینا، ان پر بحث کرنا اور رد و قبول کے عمل سے گزرتے ہوئے ان پر محاکمہ کر کے ان کے بعض فیصلوں کو بدل دینا مجھ جیسے بے علم و بے ہنر شخص کے لیے بڑی جسارت ہے اور شاید ان کی شان میں گستاخی بھی۔ مگر یہ جسارت گستاخی کی نیت سے نہیں کی گئی۔ میں اپنی حیثیت سے بھی خوب واقف ہوں اور ان کے مرتبے سے بھی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ میں نے جو کچھ کیا ہے پوری نیک نیتی کے ساتھ اور ان کی عظمت و احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اس فن کے رموز و نکات اور اصول و قواعد کے بارے میں، جو خدا کے فضل سے اس زمانے میں بھی زندہ و باقی ہے، تمام شکوک و ابہام دور کر دیے جائیں اور جن مسائل پر اساتذۂ متقدمین و متاخرین کی دو رائیں ہیں ان میں سے دلائل کے ساتھ کسی ایک رائے کو حتمی طور پر قبول کر کے تاریخ گو شعرا کی اس الجھن کو ہمیشہ کے لیے دور کر دیا جائے کہ فلاں حرف کے کتنے عدد محسوب ہوں گے یا کتنے اور محققین و قارئین بھی اس سوچ میں نہ پڑیں کہ تاریخ گو نے بقول جلال اس حرف کے کتنے عدد شمار کیے ہوں گے یا مثلاً بقول الم کتنے۔ اس طرح مورخ کے لیے صحیح مادۂ تاریخ نکالنا اور محقق و قاری کے لیے اس سے صحیح تاریخ حاصل کرنا ممکن ہو جائے گا۔ پھر بھی میں ان جلیل القدر اساتذۂ مرحومین کی ارواح پاک سے اس جسارت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ خدا رحمت کند ایں صاحبان پاک طینت را۔

تاریخ گوئی کے فن کے اس تحقیقی و تنقیدی جائزہ سے جو میری ایک حقیر سی کوشش ہے اگر تاریخ گوئی کے فن کو اور تاریخ گو حضرات خصوصاً مبتدی شعرا کو کوئی فائدہ پہنچ سکا تو میں اس کو اپنی بڑی کامیابی سمجھوں گا۔

تاریخ گوئی میں صنعتِ تعمیہ کا استعمال اور اس کے طریقے

تاریخ گوئی کے طریقوں میں سالم الاعداد تاریخ یعنی ایک پورے مصرع سے پورے پورے اعداد کا استخراج کرنا سب سے زیادہ مقبول اور مستحسن ہے مگر اور اصنافِ سخن کے مقابلے میں تاریخ گوئی میں شاعر بڑی حد تک مجبور ہوتا ہے اور کبھی کبھی کوشش کے باوجود سالم الاعداد تاریخ نہیں نکلتی۔ بڑے بڑے ماہر تاریخ گو شعرا کے ساتھ یہ صورت پیش آتی رہی ہے۔ اس لیے تعمیہ سے کام لینا ضروری ہوتا ہے۔ ناسخ اور سودا جیسے عظیم شعرا نے بھی تاریخ گوئی میں اکثر تعمیہ سے کام لیا ہے۔

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ نام یا واقعہ کی مناسبت سے کوئی بہت خوبصورت مادۂ تاریخ حاصل ہوتا ہے مگر اس میں کچھ اعداد کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ مادّۂ تاریخ کا حسن برقرار رکھنے کے لیے ایسے مواقع پر تعمیہ سے کام لینا زیادہ مستحسن اور قابلِ داد ہوتا ہے اور ایک بے لطف سالم الاعداد مادّۂ تاریخ سے بہتر ہوتا ہے۔

لغت میں تعمیہ کے معنی "معمہ گفتن" ہیں۔ یہ واقعی ایک طرح کا معمہ ہوتا ہے اس لیے کہ کسی زائد الاعداد یا ناقص الاعداد مادّہ میں کسی حرف یا لفظ کی کمی یا اضافہ کے لیے شاعر جو قرینہ پیدا کرتا ہے یا جو اشارہ کرتا ہے اس سے مادّہ تاریخ کی حیثیت ایک معمہ کی سی ہوجاتی ہے اور اگر اشارہ واضح نہ ہو تو مادّۂ تاریخ سے مطلوبہ اعداد حاصل کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

تعمیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تعمیہ باتدخلہ یا تعمیہ ٔتدخلہ یعنی کسی ناقص الاعداد مصرع یا مادّہ میں کوئی حرف یا لفظ داخل کر کے مطلوبہ اعداد پورے کرنا۔ دوسرے تعمیہ باتخرجہ یا تعمیہ ٔتخرجہ ہے جس کے ذریعے کسی زائد الاعداد مصرع یا مادّے سے کسی حرف یا لفظ کی کمی کا اشارہ کر کے مطلوبہ اعداد حاصل کرنا۔

○ تعمیہ کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ جس حرف یا لفظ

سے اعداد کی کمی یا زیادتی کو دور کیا جائے اس کی موقع و محل اور خود مصرع یا مادۂ تاریخ سے مناسبت ضروری ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر تعمیہ سے کام لینا ضروری ہو تو قوتِ فکر، بلندیٔ خیال اور ذوقِ سلیم سے کام لے کر حتی الامکان اس میں ایسی شعریت یا ایسا حسن پیدا کرنا چاہیے جس سے تعمیہ عیب کے بجائے ہنر بن جائے اور اس میں سالم الاعداد تاریخ سے زیادہ خوبی اور دلچسپی پیدا ہوجائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض اساتذہ کے نزدیک دس سے زیادہ اعداد کا تعمیہ جائز نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے اساتذہ نے سیکڑوں اعداد کا تعمیہ کیا ہے اس کی مثالیں اس مضمون میں موقع و محل سے سامنے آئیں گی۔

گذشتہ سطور میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ تعمیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تعمیۂ تدخلہ جو ناقص الاعداد مادے میں مطلوبہ اعداد کی کمی کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا تعمیۂ تخرجہ جو زائد الاعداد مادے سے زائد اعداد کو کم کرنے کا نام ہے پہلے ہم تعمیۂ تدخلہ کے طریقوں کی وضاحت کریں گے۔

○ تعمیۂ تدخلہ

حقیقت یہ ہے کہ تعمیہ کے کوئی بندھے ٹکے اصول نہیں ہیں۔ ہر شخص اپنے ذوقِ سلیم اور قوتِ تخیل سے کام لے کر نئے نئے طریقوں سے تعمیہ کرتا ہے۔ یہ ہر شاعر کی اپنی جدتِ فکر اور ندرتِ فن پر منحصر ہے کہ اس صنعت سے کس طرح کام لے جس سے تاریخ میں حسن و خوبی پیدا ہوجائے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات سمجھنا ضرور ہے کہ تاریخ گوئی میں لفظ کے پہلے حرف کو "سر" اور آخری حرف کو "پا" کہتے ہیں۔ طاق لفظ کے درمیانی حرف کو دل یا قلب کہتے ہیں۔ طاق لفظ سے وہ لفظ مراد ہے جس میں تین، پانچ، سات یا نو حروف ہوں مثلاً اجل میں الف کو سر جیم (ج) کو دل یا قلب اور لام (ل) کو پا کہیں گے۔

اساتذہ کے نزدیک تعمیۂ تدخلہ کا سادہ، آسان اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی

لفظ کے سر یعنی پہلے حرف ، دل یا قلب یعنی درمیانی حرف یا پا یعنی آخری حرف سے اعداد کی کمی کو پورا کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ از سر اجل یعنی الف کے اضافہ سے یا از دل اجل یعنی ج کے اضافہ سے یا از پائے اجل یعنی ل کے اضافہ سے تاریخ کے مطلوب اعداد حاصل کیے گئے ۔ مثلاً میر محمد علی رنج ، برادرِ میر مہدی حسین الم نے " گلبن تاریخ " کی تاریخِ اشاعت ایک عدد کے تعمیہ ٔ تدخلہ کے ساتھ یوں کہی :

کہہ دو تاریخ با سرِ انصاف

ا

" واہ کیا لاجواب ہے تاریخ"

ا + ۱۳۱۲ = ۱۳۱۳ھ

گلبن تاریخ ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوئی ۔ مصرع تاریخ سے ۱۳۱۲ عدد حاصل ہوتے تھے ۔ ایک کی کمی تھی ۔ اس کو " باسرِ انصاف " کہہ کے انصاف کے سر یعنی پہلے الف کے ایک عدد کا اضافہ کر کے پورا کر دیا ۔

اسی طرح حضرت داغ نے ایک کا تعمیہ اس طرح کیا :

لکھا سرِ آغاز سے یہ داغ نے سال

ا

بالفعل جہاندار نے مارے دو شیر

اس مصرعۂ تاریخ میں ایک عدد کی کمی کو پورا کرنے کے لیے " از سرآغاز" کہہ کے الف ممدودہ کے ایک عدد کا تعمیہ ٔ تدخلہ کیا اور مطلوبہ اعداد پورے کر دیئے ۔

اسی طرح امیرِ مینائی کی تاریخ میں داغ نے ایک عدد کا تعمیہ ٔ تدخلہ اس طرح کیا :

نکلی یہ تاریخ دل سے داغ کے

ا

آہ لطف شاعری جاتا رہا

۱ + ۱۳۱۷ = ۱۳۱۸ھ

امیر مینائی کا انتقال ۱۳۱۸ھ میں ہوا تھا۔ مصرع تاریخ میں ایک عدد کی کمی تھی۔ حضرت داغ نے "دل سے داغ کے" کہہ کے داغ کے دل یعنی الف کا ایک عدد مادۂ تاریخ میں شامل کر کے مطلوبہ اعداد پورے کر دیئے۔ یہ لفظ کے دل یعنی طاق لفظوں کے درمیانی حرف سے تعمیہ کرنے کی بھی مثال ہے۔

حکیم میر مہدی حسین الم مولف گلبن تاریخ نے نواب میر محبوب علی خاں والی دکن کے جلوس کی تاریخ میں ایک عدد کا تعمیہ تدخلہ یوں کیا:

الم با دل شاد تاریخ گفتم

۱

ہمایوں جلوس شہ عدل گستر

اس میں "شاد" کا دل یعنی الف کا ایک عدد داخل کر کے مطلوبہ اعداد حاصل کیے۔ موقع کی مناسبت سے "بادل شاد" کہنا تعمیہ کی بہت عمدہ مثال ہے۔

سریر لکھنوی نے نواب نصیر الدین حیدر شاہ بادشاہِ اودھ کی تاریخ انتقال میں ایک عدد کا تعمیہ تدخلہ اس طرح کیا:

از سرِ افسوس گفتا سال تاریخش سریر

۱

مرد اے وائے نصیر الدین حیدر بادشاہ

تاریخ وفات میں "از سرِ افسوس" کہہ کر ایک کا تعمیہ کرنا موقع و محل سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔

ثناء اللہ خاں فراق نے ہدایت اللہ خاں ہدایت کی تاریخ وفات میں تیس عدد کی کمی اس طرح پوری کی:

از سرِ لطف بول اٹھا ہاتف

۳۰

شاہبازِ سخن جہاں سے گیا

تیس عدد کی کمی کو "از سر لطف" کہہ کے لطف کے لام (ل) سے پورا کیا۔ مگر چونکہ یہ تاریخ وفات ہے اس لیے از سر لطف کہنا انتہائی بے محل ہے۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یا تو تاریخ کہنے والے کو ہدایت اللہ خاں ہدایت کی موت سے خوشی ہوئی یا یہ مرحوم پر ایک طرح کا طنز ہے جو شاہباز سخن کی لفظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ تعمیہ نامناسب اور قابل اعتراض ہے۔ وہ از سر لطف کے بجائے مثلاً از پائے اجل بھی کہہ سکتے تھے۔

جویا مراد آبادی مصنف خیابان تاریخ نے تیس عدد کا تعمیہ تدخلہ اس طرح کیا تھا:

یہ میانِ فلک سے آئی صدا

۳۰

رستم ہند مر گیا افسوس

اس تعمیہ سے یہ بھی پتا چلا کہ درمیانی حرف کو صرف دل یا قلب ہی کہنا ضروری نہیں میانِ فلک کی طرح، میانِ قلب اور میانِ تیغ وغیرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

اب مادۂ تاریخ میں دو عدد کے تعمیہ تدخلہ کی مثالیں ملاحظہ کیجیے:

زاہد سہارن پوری نے دو عدد کا تعمیہ تدخلہ اس طرح کیا:

پئے تاریخ برجستہ سر بہت سے زاہد نے

۲

کہا مصرع کہ "لاثانی یہ کل دیوان ثانی ہے"

سر بہت یعنی ب کے دو عدد مادۂ تاریخ میں شامل کر کے مطلوبہ اعداد حاصل کر لیے۔

قمر سہارن پوری مرحوم نے دو عدد کا تعمیہ تدخلہ اس طرح کیا:

سننش بجستم بہ ختم کتاب

۲

قمر داد معقول دادِ سخن

"بہ ختم کتاب" یعنی کتاب کے آخری حرف ب کے دو عدد تاریخ میں شامل کیے اور یہ محل تاریخ سے مناسبت رکھنے کی بنا پر یہ بہت عمدہ تعمیہ تدخلہ ہے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخری حرف کو پا کہنا ہی ضروری نہیں ۔ لفظ کی مناسبت سے کسی دوسری طرح بھی اس کا اظہار کیا جاسکتا ہے ۔

تین عدد کا تعمیہ تدخلہ رضی الدین حسن نے امیر مینائی کی تاریخ وفات میں اس طرح کیا:

از سرِ جام فنا لکھ سالِ مرگ

۳

خلد میں آرام سے ہے اب امیر

۳ + ۱۳۱۵ = ۱۳۱۸ھ

تاریخ وفات کی مناسبت سے از سر جام فنا کہہ کر جام کے ج کے تین عدد کا تعمیہ تدخلہ ایک اچھی مثال ہے ۔

اسی طرح منشی نسبت سنگھ نشاط نے انشا کی تاریخ وفات یوں کہی:

سال تاریخ او ز جان اجل

۳

" عرفی وقت بود انشاء" گفت

اس مادۂ تاریخ میں تین عدد کی کمی "از جان اجل" کہہ کر ج کے اعداد سے پوری کی ۔ یہ بھی وفات کی تاریخ ہونے کی حیثیت سے تعمیہ تدخلہ کی ایک عمدہ مثال ہے ۔ یہ لفظ کے دل یعنی درمیانے حرف سے تعمیہ تدخلہ کی بھی مثال ہے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ کے درمیانی حرف کو دل یا قلب کے علاوہ جہاں مناسب ہو وہاں جان بھی کہہ سکتے ہیں ۔

صرف ایک حرف کے علاوہ دو حروف سے بھی تعمیہ کیا جاسکتا ہے ۔ اس کی ایک عمدہ مثال لالہ صاحب رائے فریاد لکھنوی کی وہ تاریخ ہے جو انھوں نے نواب غازی الدین حیدر بہادر شاہ اودھ کے انتقال پر کہی تھی جو حسبِ ذیل ہے:

از　روئے　بکا　و　آہ　گفتم

۲　+　۱

حیدر　بنجف　مقام　بگرفت

انھوں نے بادشاہ کے نام حیدر اور مقام دفن نجف کی مناسبت سے نہایت خوب صورت اور بے مثال تاریخ کہی اور اس میں تین عدد کی کمی کو پورا کرنے کے لیے تاریخ کا حسن مجروح کرنے کے بجائے تعمیہ تدخلہ سے کام لینا بہتر سمجھا اور تاریخ وفات ہونے کی بنا پر "از روئے بکا و آہ" کہہ کے تعمیہ میں بھی حسن تخیل اور ندرتِ فکر کا ثبوت دیا۔

چار عدد کی کمی پوری کرنے کے لیے مرزا سودا نے تعمیہ تدخلہ سے اس طرح کام لیا۔ (تاریخ وفات ان کی کہی بروئے "درد")

(یا)

تاریخ　از　روئے　" درد"　سن　کے　کہی

۴

سودا　نے　کہ　" ہائے　جان　جاناں　مظلوم"

از روئے درد یعنی درد کی پہلی دال کے چار عدد مادہ تاریخ میں شامل کر دیئے اور اس طرح مطلوبہ تاریخ حاصل ہو گئی۔

اوپر کی دونوں تاریخوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ کے پہلے حرف کو سر کے بجائے رو یعنی چہرہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

الم نے چار عدد کا تعمیہ تدخلہ اس طرح کیا:

سر　دل　سے　سال　ولادت　کہا

" گل باغ آل محمد حسین"

یوں مادّہ تاریخ میں چار عدد کی کمی سرِ دل یعنی دل کے پہلے حرف دال کے چار عدد شامل کر کے پوری کر دی ۔ اسی طرح از سرِ ہاتف ، از روئے ہوش اور از دلِ الہام وغیرہ کہہ کے پانچ عدد کا از سرِ وحدت ، از روئے وصال اور از دلِ حور وغیرہ سے چھ عدد کا ، از سرِ زمین از روئے زیاں اور بادلِ غمزدہ وغیرہ سے سات عدد کا ، از سرِ حجاز ، از روئے حسرت اور از دلِ لحد وغیرہ سے آٹھ عدد کا ، اور از روئے طہارت اور از دلِ عطا وغیرہ کہہ کے نو عدد کا تعمیہ ،تدخلہ کیا جاسکتا ہے ۔

لسان القوم حضرت صفی لکھنوی نے دس عدد کا تعمیہ ،تدخلہ بڑے حسن سے کیا ۔ ملاحظہ ہو :

یہ دفعتاً دلِ مایوس نے کہا بڑھ کر

۱۰

کہ " ماں کے پاؤں کے نیچے ملا بہشتِ بریں"

اس میں دلِ مایوس یعنی مایوس کا درمیانی حرف جو ی ہے اس کے دس عدد کا تعمیہ ، تدخلہ کیا ۔

ایک سے دس تک کے اعداد کا تعمیہ ،تدخلہ اوپر کی مثالوں سے بخوبی واضح ہوگیا ہوگا ۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ، شعرا نے جن میں اساتذۂ فن بھی شامل ہیں ، دس عدد سے کہیں زیادہ حتیٰ کہ سیکڑوں کا بھی تعمیہ کیا ہے ۔ مثلاً مرزا قربان علی بیگ سالک کی وہ تاریخ جس کا ذکر کتاب کے پہلے باب میں آچکا ہے اور جو انھوں نے عارف ، تسکین اور مومن کے انتقال پر ایک ہی مصرع میں کہی اس لیے کے تینوں کا انتقال ایک ہی سال میں تھوڑے تھوڑے وقفوں سے ہوا تھا ۔ اس میں تینوں کے ناموں کے مجموعی اعداد سالِ رحلت کے اعداد سے ۲۴۱ کم ہو رہے تھے ۔ اس کمی کو انھوں نے بڑی خوبصورتی سے یوں پورا کیا :

کہا دل نے کہ داخل ہوگئے سب

" ارم " میں " عارف و تسکین و مومن "

۲۴۱

مادہ تاریخ میں ۲۴۱ کی کمی ارم کے لفظ سے پوری کی اور مرنے والوں کے لیے ارم میں داخل ہوگئے کہہ کر تعمیہ میں بڑا حسن پیدا کر دیا۔ اسی طرح ، داخل " جناں " داخل " فردوس " داخل " جنت " داخل " خلد " اور داخل بہشت کہہ کر ۱۰۴ ، ۳۵۰ ، ۴۵۳ ، ۶۳۴ اور ۷۰۰ اعداد کا تعمیہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح آج کے ایک بزرگ شاعر جناب تابش دہلوی نے معروف دانشور اور محقق ڈاکٹر نعیم تقوی مرحوم کی تاریخ وفات میں ۱۶۷ اعداد کا تعمیہ بتدخلہ اس طرح کیا:

فزوں ہیں بیحد فزوں ہیں " الطاف الہیٰ " ان پر

۱۶۷

" نعیم تقوی نعیم خلد نعیم میں ہیں "

۱۶۷ + ۱۸۲۵ = ۱۹۹۲ء

مادۂ تاریخ میں ۱۶۷ کی کمی الطاف الہیٰ کے اعداد سے پوری کر دی۔ اسی دور کے ایک مرحوم شاعر جناب حسین اعظمی نے جناب آغا محمد حسین عرف آغا جانی صاحب مرحوم کے مادۂ تاریخِ رحلت میں ۱۶۵ عدد کا تعمیہ بتدخلہ بہت عمدگی سے کیا۔ ملاحظہ ہو:

لکھو تاریخ بہ " صد یاس " کہ آغا جانی

کربلا والوں کا تھا عاشق و شیدا ، نہ رہا

بہ " صد یاس " کہہ کر ۱۶۵ کی کمی دور کی اور مطلوبہ سن وفات حاصل کرلیا۔ تاریخ وفات کی نسبت سے بہ صد یاس کی لفظ بہت برمحل ہے۔ اس لیے اس کو ایک عمدہ تعمیہ کہہ سکتے ہیں۔

○ اوپر کی مثالوں سے تعمیہ بتدخلہ کا اصول اچھی طرح واضح ہوگیا ہوگا۔ اب میں مبتدی حضرات کے لیے کچھ الفاظ تعمیہ بتدخلہ کے قرینوں کے ساتھ درج کر رہا ہوں۔ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ تعمیہ کے لیے ایسا لفظ منتخب کرنا چاہیے جو موقع و محل

سے مناسبت رکھتا ہو۔

(الف) ایک عدد کے تعمیۂ تدخلہ کے لیے:

از سرِ افسوس، آغاز، انجام، آلام وغیرہ

از روئے الہام، القا، اخلاص، اخلاق، انصاف، احساس، الم، اسم

الفت، الحمد، ارتحال، انتقال، ابتہاج وغیرہ

از دل شاد، از دل پاک وغیرہ

با دل شاد، با دل زار، با دل چاک وغیرہ

از پائے صبا، حنا وغیرہ

از انجام وفا، ولا، وغا، دغا وغیرہ

(ب) دو عدد کے تعمیۂ تدخلہ کے لیے:

از سرِ بہجت، بہبود، بسمل، بہشت

از روئے برکت، بقا، باقیات

از آغازِ باب، بہار

از ختم کتاب، شباب، عذاب

از دل احباب

از انجام شباب، حباب، احتساب، خواب، خراب، حساب

از پائے جناب، شتاب

از حد طرب، تعجب

دو حروف سے:

از سرِ آغاز و انجام

از روئے الہام و القا (ا + ا)

(ج) تین عدد کے تعمیۂ تدخلہ کے لیے:

از سر جتاں، جدت، جودت، جنوں، جہاد

از روئے جرأ، جسارت، جوانی، جوش، جذبات

بادل رنجور، رجا

از دل ناچار

دو حروف سے:

از روئے آہ و بکا (ا + ب)

(د) چار عدد کی کمی دور کرنے کے لیے:

از سر دنیا، دیواں، دعا، دوا

از روئے دیں، درد، دولت، دل، داد، درماں، درود

از دل عدل، عدو، بیدار

از پائے محمدؐ، جہد

از انجام ورود

بادِل پُر درد

بڑھا کے دست دعا

دو حروف سے:

از روئے باغ و بہار

از آغاز و انجام باب

(ہ) پانچ عدد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر ہاتف، ہوش، ہوس

از روئے ہدایت، ہمت، ہوش، ہراس

از دل الہام، اوہام

از پائے نگاہ

دو حروف سے:

از آغاز و انجام ورود (و + د)

(ک) بیس اعداد کی کمی کی صورت میں:

از سر کربلا، کائنات، کلیم

از روئے کردار، کہولت، گل، گماں

از دل بکا، مکہ

بادل غمگیں

از پائے مرگ

دو حروف سے:

از آغاز و انجام یاری

(ل) تیس اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر لکنت

از روئے لذت، لطافت، لطف، لیاقت

از دلِ فلک

از میان فلک

از پائے بلبل

از انجام گل

(م) چالیس اعداد کی کمی دور کرنے کے لیے:

از سرِ مرگ، موت، مدینہ، مکہ

از روئے مرگ، موت، محبت، مصیبت، متانت، مسرت

از دل شمع، سما، سمک

از پائے نجم، عجم، ارم

از سرجناں، جدت، جودت، جنوں، جہاد

از روئے جزا، جسارت، جوانی، جوش، جذبات

بادلِ رنجور، رجا

از دل ناچار

دو حروف سے:

از روئے آہ و بکا (ا + ب)

(د) چار عدد کی کمی دور کرنے کے لیے:

از سر دنیا، دیوان، دعا، دوا

از روئے دیں، درد، دولت، دل، داد، درماں، درود

از دل عدل، عدو، بیدار

از پائے محمدؐ، جہد

از انجام ورود

بادلِ پُر درد

بڑھا کے دست دعا

دو حروف سے:

از روئے باغ و بہار

از آغاز و انجام باب

(ہ) پانچ عدد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سرہاتف، ہوش، ہوس

از روئے ہدایت، ہمت، ہوش، ہراس

از دل الہام، اوہام

از پائے نگاہ

دو حروف سے:

از آغاز و انجام ورود (و + د)

(ک) بیس اعداد کی کمی کی صورت میں:

از سر کربلا، کائنات، کلیم

از روئے کردار، کہولت، گل، گماں

از دل بکا، مکہ

با دل غمگیں

از پائے مرگ

دو حروف سے:

از آغاز و انجام یاری

(ل) تیس اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر لکنت

از روئے لذت، لطافت، لطف، لیاقت

از دلِ فلک

از میانِ فلک

از پائے بلبل

از انجامِ گل

(م) چالیس اعداد کی کمی دور کرنے کے لیے:

از سرِ مرگ، موت، مدینہ، مکہ

از روئے مرگ، موت، محبت، مصیبت، متانت، مسرت

از دل شمع، سما، سمک

از پائے نجم، عجم، ارم

از سر جناں ، جدت ، جودت ، جنوں ، جہاد

از روئے جرأ ، جسارت ، جوانی ، جوش ، جذبات

بادل رنجور ، رجا

از دل ناچار

دو حروف سے :

از روئے آہ و بکا (ا + ب)

(د) چار عدد کی کمی دور کرنے کے لیے :

از سر دنیا ، دیواں ، دعا ، دوا

از روئے دیں ، درد ، دولت ، دل ، داد ، درماں ، درود

از دل عدل ، عدو ، بیدار

از پائے محمدؐ ، جہد

از انجام ورود

بادِل پُر درد

بڑھا کے دست دعا

دو حروف سے :

از روئے باغ و بہار

از آغاز و انجام باب

(ہ) پانچ عدد کی کمی پوری کرنے کے لیے :

از سر ہاتف ، ہوش ، ہوس

از روئے ہدایت ، ہمت ، ہوش ، ہراس

از دل الہام ، اوہام

از پائے نگاہ

از انجام گناہ

دو حروف سے:

از دل عدل و داد (د + ا)

(و) چھ اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر وحدت، واحد، وحشت

از روئے وجود، وفات، وصال، وقت، وقار

از آغاز وضو، ورود

از دل حور، نور

از انجام نمو

دو حروف سے:

از روئے جدت وجودت

(ز) سات اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر زمیں، زماں، زخم

از روئے زباں، زیاں، زندگی

از دل عزا، عزم

با دل غمزدہ، محزوں

از پائے ناز، نیاز، اعجاز، دراز

از انجام آغاز

از اختتام نماز

بہ "ادب" یا ادب کے ساتھ

دو حروف سے:

با دل ناچار و پردرد (چ + د)

(ح) آٹھ عدد تعمیۂ تدخلہ کے لیے:

از سرِ حجاز، حشمت، حضرت

از روئے حج، حسرت، حیرت، حکمت، حواس، حیات

از دل احد، سحر، لحد

از میان لحد

از پائے جناح

از انجام، مدح، قدح، صبح

دو حرفوں سے:

از آغاز و ختم درود (د - د)

از روئے درد و درماں (د - د)

از سرِ دین و دنیا (د + د)

(ط) نو اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سرِ طیر، طبع، طرب، طاعت، طوبیٰ، طور

از روئے طہارت، طاعت، طالع، طبیعت، طرب، طینت، طلب، طنز، طواف، طب

از دل عطا

از انجام ضبط، ربط وغیرہ

(ی) دس اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سرِ یار، یاسمین، یوسفؑ

از روئے یقیں، یاسین، یاری، یاس

از دل مایوس

از پائے توقی

دو حروف سے:

از آغاز و انجام ورود (و + د)

(ک) بیس اعداد کی کمی کی صورت میں:

از سر کربلا، کائنات، کلیم

از روئے کردار، کہولت، گل، گماں

از دل بکا، مکہ

بادل غمگیں

از پائے مرگ

دو حروف سے:

از آغاز و انجام یاری

(ل) تیس اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر لکنت

از روئے لذت، لطافت، لطف، لیاقت

از دل فلک

از میان فلک

از پائے بلبل

از انجام گل

(م) چالیس اعداد کی کمی دور کرنے کے لیے:

از سر مرگ، موت، مدینہ، مکہ

از روئے مرگ، موت، محبت، مصیبت، متانت، مسرت

از دل شمع، سما، سمک

از پائے نجم، عجم، ارم

کہ سید العلماء نقش خاتمش بودے
نماند و ماندے اگر بودے پنج سال دگر
"غم حسین علی" سال ماتمش بودے

یعنی اگر وہ پانچ سال اور زندہ رہتے تو "غم حسین علی" سے ان کی تاریخ وفات نکلتی۔ میں نے اس انداز میں اردو میں شاید پہلی بار تعمیہ تخرجہ سے ایک تاریخ کہی۔ جناب اختر وصی علی معروف سوزخواں اور ماہر موسیقی کی وفات پر میں نے ان کے نام سے تاریخ نکالنا چاہی تو ایک عدد بڑھ رہا تھا۔ میں نے اس سے تخرجہ کیا:

ساحر اک اور سال جو رہتے وہ دہر میں
تاریخ ہوتی نام سے "اختر وصی علی"

حضرت شاد نے پانچ عدد کا تخرجہ یوں کیا:

بے سر ہوش شاد لکھ تاریخ
گل چراغ اودھ ہوا اے وائے

اس میں بے سر ہوش کہہ کر ہوش کا سر یعنی ہ کے پانچ عدد مادۂ تاریخ سے خارج کر دیئے۔

نواب امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کا انتقال بعارضہ سرطان ہوا۔ سرطان ایک مرض بھی ہے جسے اب کینسر کہتے ہیں اور آسمان کے بارہ برجوں میں سے اس برج کا بھی نام ہے جس میں آفتاب آتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ بادشاہ کی عظمت اور سرطان کا مرض، ان کی مناسبت سے شاعر نے بے مثال تاریخ انتقال کہی یعنی:

"سرطان سے وہ مہر جہاں تاب نہ نکلا"

مگر اس میں ایک عدد بڑھ رہا تھا۔ شاعر نے مصرع کی مناسبت سے تعمیہ تخرجہ بھی لاجواب کیا۔ یوں کہا کہ:

انجم ہوئے روپوش، ہوا مصرع تاریخ
سرطان سے وہ مہر جہاں تاب نہ نکلا

کا حساب لگایا تو اکہتر عدد بڑھ رہے تھے۔ بچہ کی ولادت پر نال کاٹی جاتی ہے۔ شاعر نے اسی سے تخرجہ کیا اور کہا:

"نال" کٹنے کے بعد ہاتف نے
کہی تاریخ "دختر مومن"

یعنی دختر مومن کے اعداد سے نال کے اعداد نکال دیے جائیں تو مطلوبہ سن حاصل ہو جائے گا۔

خود مومن نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تاریخ وفات بے مثل تعمیہ تخرجہ سے نکالی اور اپنی قوتِ فکر کا کمال دکھایا:

حیف اب دستِ اجل سے بے سر و پا ہوگئے
"فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل"
ق + ی + ض + ن + ط + ر + ل + م

دوسرے مصرع کے تمام الفاظ کے سر و پا یعنی پہلے اور آخری حروف کو خارج کر کے جو حروف بچے ان کے اعداد کے مجموعہ سے سال وفات حاصل ہو گیا۔ یہ تاریخ بھی تعمیہ تخرجہ کی بہترین مثالوں میں سے ہے۔ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے مذہبی اور علمی مرتبہ کی مناسبت سے شاعر نے مضمون پیدا کیا اور یہ کہا کہ ان کی وفات سے علم و عمل اور فضل و ہنر وغیرہ کی لفظیں بے سر و پا یعنی بے معنی ہو گئیں۔

غالب نے میرے ایک جد سید العلماء مولوی سید حسین صاحب علّیین مکان خلف مولوی سید دلدار علی صاحب غفراں مآبؒ کی تاریخ وفات میں تعمیہ تخرجہ میں بڑی جدت سے کام لیا اور بالکل نئے طریقہ سے تاریخ کہی۔ انھوں نے "غم حسین علی" سے تاریخ کا حساب لگایا تو پانچ عدد بڑھ رہے تھے۔ انھوں نے ان کا تخرجہ اس طرح کیا:

حسین ابن علی آبروئے علم و عمل

مادۂ تاریخ میں چار عدد زیادہ ہوتے تھے ۔ وہ کم کرنے کے لیے سر دزد بریدم یعنی دزد (چور) کا سر کاٹا کہہ کے دزد کی پہلی دال کے چار عدد کا تخرجہ کر دیا ۔

لطیف نامی کسی شخص نے حوض بنوایا ۔ شاعر نے "حوض لطیف" سے تاریخ نکالنا چاہی ۔ تین عدد زائد تھے ۔ اس نے نہایت حسن سے تین عدد کا تخرجہ کیا:

از " حوض لطیف " " آب" بردار

"حوض لطیف" سے آب (پانی) نکالو ، کہہ کے "آب" کے تین عدد کا تخرجہ کر دیا جس کی خوبی کی داد نہیں دی جاسکتی ۔

کسی کے "نعمت خانہ" کی تاریخ شاعر نے کہنا چاہی ۔ "نعمت خانہ" کے اعداد مطلوبہ سن سے ۱۲۰ زائد تھے ۔ شاعر نے :

ز " نعمت خانہ" بیرون کن مگس را"

یعنی نعمت خانہ سے مگس (مکھی) کو نکالو کہہ کر اتنا خوبصورت تعمیہ تخرجہ کیا جس کا جواب نہیں ۔

داغ کے ایک شاگرد نے ان کی تاریخ وفات کہی :

" آج راہی جہاں سے داغ ہوا"

اس کے اعداد مطلوبہ سن سے ۴۴ زائد تھے ۔ شاعر نے یوں تعمیہ تخرجہ سے کام لیا:

" دم" نکلتا ہے سن کے یہ تاریخ

" آج راہی جہاں سے داغ ہوا"

" دم" نکلتا ہے کہہ کے دم کے ۴۴ اعداد کا تخرجہ کر دیا اور مطلوبہ سن حاصل ہوگیا ۔

اتفاق سے یہی مصرع نادر نے کہا مگر انھوں نے ۴۴ کا تخرجہ اس طرح کیا:

لکھیے نادر مٹا کے " دلّی" کو

" آج راہی جہاں سے داغ ہوا"

مٹا کے دلّی کو کہہ کے انھوں نے " دلّی کے ۴۴ اعداد کا تخرجہ کر دیا ۔

حکیم مومن خاں مومن کی بیٹی کی ولادت پر شاعر نے " دختر مومن" سے تاریخ

دل ہے اس مصرع تاریخ سے بے "حد" شاداں

اس میں "حد" کے بارہ عدد خارج ہوگئے۔ اسی طرح غم کے موقع پر بے "حد" گریاں کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح لا "جواب" کہہ کے جواب کے ۱۲ عدد کا تعمیہ، تخرجہ کیا جاسکتا ہے اور:

بے "طلب" سے ۴۱ عدد کا

بے "مثال" سے ۱۷۵ عدد کا

بے "بہا" سے ۸ عدد کا

بے "عدیل" سے ۱۱۴ عدد کا

بے "کم و کاست" سے ۵۴۷

بے "بدل" سے ۳۶

بے "مثل" سے ۵۷۰

بے "شش و پنج" سے ۶۶۱ اعداد کے تخرجے کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت مکرم لکھنوی نے بہت سادہ سے طریقے سے ۲۰۱ عدد کا تخرجہ یوں کیا:

ہے مطلوب تاریخ بے حرف "را"

۲۰۱

تو لکھو "سخاوت نقی کاظمی"

۲۱۹۸ – ۲۰۱ = ۱۹۹۷ء

(طلوع افکار، ستمبر ۹۷ء)

تعمیہ، تخرجہ کے ساتھ کچھ اور اساتذہ کی کہی ہوئی تاریخیں حسب ذیل ہیں جس سے اس صنعت کے کچھ اور گوشے سامنے آسکتے ہیں۔

حضور سرور کائنات ؐ کی وفات پر شاعر نے کہا:

" از محمدؐ زمانہ خالی شد"

۹۲ – ۱۰۳ = ۱۱ھ

کمر سے مراد الف ہے جس کے ایک عدد کا تخرجہ ٹوٹا کہہ کے کیا گیا۔ اسی طرح دو عدد کے تخرجہ کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ:

دل "احباب" ٹوٹا۔ دل احباب یعنی ب کے دو عدد کا تخرجہ ہو گیا۔

یا جب "طرب یا تعب کی حد نہ رہی"۔ حد سے مراد آخری حرف ہے جو ب ہے چار کا تخرجہ کرنے کے لیے اٹھا کے "دستِ دعا" کہہ سکتے ہیں۔ دست دعا یعنی دعا کی د کے چار عدد کم ہو جائیں گے۔

اسی طرح "بے جا" کہہ کے "جا" کے چار عدد کا تعمیہ تخرجہ کیا جاسکتا ہے۔ چھ کی کمی کرنے کے لیے کسی رنج و غم کے موقع پر "آہ" کھینچی کہہ سکتے ہیں۔ ایک سیدھے سادے طریقے سے یوں بھی شاعر نے چھ کا تخرجہ کیا:

مصنع کتاب عجیب و غریب
اگر دور ہو "واؤ" سن ہو نصیب

اسی طرح دوسرے حروف سے بھی تعمیہ تخرجہ کیا جاسکتا ہے گو کہ یہ کوئی بہت اچھا طریقہ نہیں ہے۔

"غم" کی حد نہ رہی کہہ کے م کے چالیس عدد کا تعمیہ تخرجہ کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ وفات میں ۲۴۸ کا تخرجہ "طوطیِ روح" اڑا کہہ کے کیا گیا۔

امیر مینائی نے ۱۰۰ عدد کا تعمیہ تخرجہ یوں کیا:

نکل ائی یہ کہہ کے بادِ صبا

اس طرح بادِ صبا کے ۱۰۰ عدد خارج کر دیئے۔

حضرت صفی لکھنوی نے کہا:

فکر نے "کوہ" کنی کی تو یہ تاریخ ہوئی
ایک الحمد کا ہے حافظ قرآں محتاج

اس میں کوہ کے ۳۱ عدد کا تخرجہ ہے۔

اسی طرح ۱۲ کا تخرجہ کرنے کے لیے حضرت صفی نے کہا:

تعمیۂ تخرجہ

تعمیۂ تخرجہ مادہ تاریخ سے زائد اعداد کو کم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے ۔ اس میں از سرو پا یا از دل وغیرہ سے کام نہیں لیا جاسکتا ، اس لیے کہ از کے معنی ہیں " سے اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں حرف سے تاریخ کہی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حرف کے اعداد مادہ تاریخ میں جمع کیے گئے جب کہ تعمیۂ تخرجہ میں اعداد کم کرنا ہوتے ہیں۔

تعمیۂ تخرجہ کا کوئی معین طریقہ نہیں ہے ۔ یہ شعرا کی اپنی قوتِ فکر اور صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح تعمیۂ تخرجہ کرتے ہیں اور اس میں اپنے کمال فن سے حسن و خوبی بھی پیدا کرتے ہیں ۔چنانچہ تعمیۂ تخرجہ کے بارے میں رہنمائی کے لیے صرف مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو اس کتاب میں تعمیہ کے [illegible] میں نقل کی جاچکی ہیں مگر اس مضمون میں دوسری مثالوں کے ساتھ ان کو نقل کر دینا اس لیے ضروری ہے کہ قارئین کو اس مضمون کے مطالعے کے دوران کتاب کی ورق گردانی کر کے مثالیں تلاش کرنے کی زحمت نہ کرنا پڑے اور اسی مضمون سے تعمیہ کے بارے میں ان کو مکمل تفصیلات مل جائیں اور ان کا مطالعہ مکمل ہوجائے ۔چونکہ یہ باب تعمیہ ہی کے موضوع پر ہے اس لیے بھی اس کا بالذات مکمل ہونا ضروری ہے ۔

بہرحال تعمیۂ تخرجہ کے کچھ طریقے درج ذیل ہیں جن سے رہنمائی حاصل کر کے اور اپنی فکر کو بروئے کار لاکر اس صنعت سے کام لیا جاسکتا ہے ۔

مثلاً مادۂ تاریخ میں ایک عدد بڑھ رہا ہو تو اس کا تعمیۂ تخرجہ یوں کیا جاسکتا ہے:

اعداد کا سر قلم کر کے
اجل کا سر کاٹ کر
ایک نے اٹھ کر کہی تاریخ

یا بیٹے کی موت پر باپ زندہ ہو تو یوں کہہ سکتے ہیں " باپ کی کمر ٹوٹی" باپ کی

چار عدد کی کمی پوری کرنے کے لیے " بڑھا کے دستِ دعا " کہنے سے دستِ دعا یعنی د کے چار عدد بڑھانے کا اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

پانچ عدد کے لیے تاریخ وفات میں " ہائے ہاتف " نے کہا کہہ کر ہاتف کی ہ کے پانچ عدد کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور ہائے سے مراد اظہارِ غم بھی ہوگا۔

چھ کے تعمیہ ٔتدخلہ کے لیے " آہ " بھر کر کہہ سکتے ہیں جس سے آہ کے چھ عدد کے اضافہ کا اشارہ ہوگا جس طرح لسان القوم حضرت صفی لکھنوی نے کہا:

تاریخ کہی صفی نے بھر کر اک " آہ "
ہم سب ہیں ، بلیغ کی جگہ خالی ہے

موقع کی مناسبت سے یہ بہت عمدہ تعمیہ ٔتدخلہ ہے۔

سات کا تعمیہ ٔتدخلہ بہ " ادب " یا " ادب " سے کہنا مناسب موقع پر بہت اچھا معلوم ہوگا۔ پندرہ عدد کا تعمیہ ٔتدخلہ جلیل مانک پوری نے یوں کیا:

پڑھ اے جلیل بہ " آواز " مصرع تاریخ
الہیٰ تا بہ ابد ہو شمار سالگرہ

اس میں پڑھ بہ آواز کہہ کے پندرہ عدد کا تعمیہ ٔتدخلہ بڑی عمدگی سے کیا گیا۔

۳۴ عدد کی کمی " دل " لگا کے یہ تاریخ کہی، کہہ کے دل کے ۳۴ عدد سے پوری کی جاسکتی ہے جو حسبِ محل ایک عمدہ تعمیہ ٔتدخلہ ہوسکتا ہے۔

اسی طرح بہ " صدق دل " کہہ کر ۲۲۸ اعداد کا تعمیہ ٔتدخلہ یوں کیا گیا:

بہ " صدق دل " نوشتم مصرع سال

اسی طریقہ سے بہ " صد افسوس " کہہ کے ۳۰۱ کا تعمیہ ٔتدخلہ کسی غم کے موقع پر بہت مناسب ہوگا۔ بہ " آہ و زاری " کہہ کے بھی ۲۳۰ کا تعمیہ ٔتدخلہ تاریخ انتقال میں کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بہ حزن دل " سے ۹۹ عدد یا " دل حزین " سے ۴۹ عدد اور با " دل رنجور " سے ۴۹۳ کا تعمیہ ٔتدخلہ تاریخ وفات میں یا کسی اور غم و الم کے موقع پر کیا جاسکتا ہے۔

تو مطلوبہ سن سے آٹھ عدد کم ٹھہرے چنانچہ شاعر نے آٹھ عدد کا تعمیہ تدخلہ اس طرح کیا:

چو از لفظ " ظفر" جستند تاریخ

پئے باقی سر حافظ بریدند

یعنی باقی اعداد کے لیے حافظ کا سر قلم کیا۔ اس طرح حافظ کا سر یعنی ح کے آٹھ عدد کا تعمیہ تدخلہ کر کے مطلوبہ سن حاصل کرلیا اور تاریخ میں ایسا حسن پیدا کر دیا جو سالم الاعداد تاریخ میں بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ یا میرزا محمد رضا برق لکھنوی نے ایک حوض کی تعمیر کی تاریخ "حوض قصر بے بدل" سے نکالی تو تین اعداد کی کمی پائی یہ کمی انھوں نے تعمیہ تدخلہ سے اس طرح پوری کی:

لطف نو با " آب" دارد حوض قصر بے بدل

حوض کی مناسبت سے آب کی لفظ کے تین عدد شامل کر کے بہت عمدہ تعمیہ کیا۔

اب تعمیہ تدخلہ کے چند اور عمدہ اور دلچسپ طریقے ملاحظہ کیجیے:

ریاض خیرآبادی نے تین عدد کا تعمیہ تدخلہ اس طرح کیا:

" آپ" سے خاص اس کو الفت ہے

رنگ لائے ہمیشہ باغِ مراد

اس میں لفظ "آپ" کے تین عدد مادہ تاریخ میں شامل کیے گئے، مگر یہ تعمیہ گنجلک ہے اس سے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ لفظ "آپ" سے تعمیہ تدخلہ کیا گیا ہے۔ اس طرح کے تعمیہ سے بچنا چاہیے۔

ایک عدد کی کمی یوں بھی پوری کی جاسکتی ہے کہ " ایک نے بڑھ کے کہا"

دو عدد کا تعمیہ تدخلہ یہ کہہ کے کیا جاسکتا ہے کہ " دل احباب سے ملی تاریخ"۔

دل احباب سے مراد درمیانی ب ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ از حدِ " طرب" یا از حدِ " تعب" یہ تاریخ ہوئی یا کہی یا ملی۔ حد طرب یا حد تعب کا مطلب آخری حرف ب ہے

از پائے انصاف ، تاسف ، یوسف

(ص) نوّے اعداد کی کمی دور کرنے کے لیے:

از سر صحف ، صحیفہ ، صحرا

از روئے صافی ، صمد ، صحافت ، صحبت ، صحت ، صدق

از پائے اخلاص

(ق) سو عدد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر قلم ، قیامت ، قیادت

از روئے قواعد ، قسمت ، قاعدہ ، قضا ، قول ، قرار

از دل نقش ، عقل ، ناقلہ

از پائے طباق ، شاق ، طاق ، توفیق

از انجام طلاق ، عاق

از اختتام سبق ، اسباق یا بہ ختم سبق

" باد صبا " نے بڑھ کے کہا وغیرہ

مندرجہ بالا الفاظ مثال کے طور پر پیش کیے گئے اور تعمیہ بتدخلہ کے لیے بہت کارآمد ہیں ۔ شعرائے کرام اپنے طور پر اور الفاظ بھی منتخب کر سکتے ہیں مگر جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ، الفاظ کا انتخاب اس واقعہ کے موقع و محل کی مناسبت سے ہونا چاہیے جس کے لیے تاریخ کہنا ہے ۔

تعمیہ بتدخلہ کا یہ طریقہ یعنی از سر فلاں و از دل فلاں اور پائے فلاں ایک عام اور سادہ طریقہ ہے جس میں عموماً کوئی حسن و خوبی نہیں ہوتی ۔ اس لیے اساتذۂ فن اور شعرائے باکمال نے تعمیہ بتدخلہ کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے اور ایسے کہ ان سے تعمیہ بتدخلہ میں بھی ایک حسن پیدا ہو گیا ۔ مثلاً:

نواب شجاع الدولہ بہادر شاہ اودھ کی حافظ رحمت اللہ پر فتح اور اس کے نتیجہ میں اس کا سر قلم کیے جانے کے موقع پر کسی شاعر نے لفظ " ظفر " سے تاریخ نکالنا چاہی

از انجام غم، الم

(ن) پچاس اعداد کی کمی کی صورت میں:

از سرِ نیاز، ناز، نسیم، نکہت ا

از آغاز نماز

از روئے نشاط، نور

از دل، زند، قند

از پائے چمن، امن

(س) ساٹھ اعداد کی کمی دور کرنے کے لیے:

از سرِ ساقی، سنبل، سودا

از روئے سخن، سعادت، سخاوت، سیادت، سماعت

از دل مست، ہست

از پائے نفس، جرس، فرس

از انجام نفس، ہوس

(ع) ستّر اعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے:

از سر عدو، علم

از روئے علم، عقل، عادت، عطا، عارض، عرض

از دل دعا

از پائے طمع، شمع

(ف) اسّی اعداد کی کمی کی صورت میں:

از سرِ فاراں، فقیہ، فاتحہ، فوت، فارس

از روئے فقہ، فطرت، فصاحت، فنا، فتویٰ، فارسی

از دل نفع، نفس

۲۲۔ سہ ماہی رثائی ادب (نصف صدی نمبر)

۲۳۔ ماہ نو ۔ انیس نمبر

۲۴۔ صابر براری کی تخلیقات

۲۵۔ افکار آصفیہ ۔ صفدر حسین آصف الجعفری

۲۶۔ دہلوی مرثیہ گو (ج ۱) ۔ سید علی جواد زیدی

۲۷۔ دہلوی مرثیہ گو (ج ۲) ۔ سید علی جواد زیدی

۲۸۔ ماہ نامہ طلوع افکار، کراچی ۔ شمارہ ستمبر ۱۹۹۷ء

۲۹۔ روزنامہ جنگ، کراچی ۔ مورخہ ۴ جنوری ۱۹۹۸ء

۳۰۔ روزنامہ جنگ، کراچی ۔ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء

۳۱۔ روزنامہ جنگ، کراچی ۔ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۴ء

اپنے بچوں کیلئے [illegible]

سید نذر عباس

۱۴ ستمبر 2013

یہاں انجم روپوش ہونے سے مراد یہ ہے کہ انجم کا الف جسے سر کی طرح شاعر نے رو کہا ہے وہ چھپ گیا یعنی الف کا ایک عدد کم ہو گیا تو مصرع تاریخ مل گیا۔

جس طرح کسی نے "طوطی روح" اڑا کہہ کے تاریخ وفات میں تعمیہ، تخرجہ کیا اسی طرح میں نے بھی ایک تاریخ میں تعمیہ، تخرجہ کی یہ صورت نکالی کہ ایک نوجوان شہنشاہ حسین نام جو دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہو گیا، اس کی تاریخ شہادت کے لیے میں نے نام اور واقعہ کی مناسبت سے یہ مصرع کہا:

"شہنشاہ تاج شہادت مبارک"

مگر اس میں ۴۶ عدد بڑھ رہے تھے۔ میں نے مضمون کی مناسبت سے یوں تخرجہ کیا:

"ہما" اڑ گیا پڑھ کے مصرع یہ ساحر
"شہنشاہ تاج شہادت مبارک"

اس طرح "ھما" کے ۴۶ عدد کا تخرجہ ہو گیا۔ ہما کی مناسبت مصرع تاریخ سے یہ ہے کہ یہ ایک ایسا داستانی یا تخیلاتی پرندہ ہے جو کسی کے سر پر بیٹھ جائے یا اس کا سایہ کسی پر پڑ جائے تو اس شخص کو بادشاہت مل جاتی ہے۔

اسی طرح میرے ایک عزیز نوجوان سید فراز حسین کو دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔ میں نے ان کے نام اور شہادت کی مناسبت سے تاریخ کا مصرع کہا:

"فراز تاج شہادت سے سرفراز ہوئے"

اتفاق سے اس میں بھی ۴۶ عدد زیادہ ہو رہے تھے تو یہاں بھی میں نے تاج شہادت کی مناسبت سے ہما کے لفظ سے تخرجہ کیا اور یوں کہا:

"ہما" نے شاخ سے تاریخ کی یہ اڑ کے کہا
"فراز تاج شہادت سے سرفراز ہوئے"

حکیم مومن خاں مومن نے کسی کی تاریخ وفات میں ۶۶ عدد کا تخرجہ "جنازہ اٹھایا" کہہ کر یوں کیا:

۲۲۔ سہ ماہی رثائی ادب (نصف صدی نمبر)
۲۳۔ ماہ نو ۔ انیس نمبر
۲۴۔ صابر براری کی تخلیقات
۲۵۔ افکار آصفیہ ۔ صفدر حسین آصف الجعفری
۲۶۔ دہلوی مرثیہ گو (ج ۱) ۔ سید علی جواد زیدی
۲۷۔ دہلوی مرثیہ گو (ج ۲) ۔ سید علی جواد زیدی
۲۸۔ ماہ نامہ طلوع افکار ، کراچی ۔ شمارہ ستمبر ۱۹۹۷ء
۲۹۔ روز نامہ جنگ ، کراچی ۔ مورخہ ۴ جنوری ۱۹۹۸ء
۳۰۔ روز نامہ جنگ ، کراچی ۔ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء
۳۱۔ روز نامہ جنگ ، کراچی ۔ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۴ء

اپنے بچوں کیلئے الیکٹرانک کاپی بنائی
سید نذر عباس
4 ستمبر 2013

یہاں انجم روپوش ہونے سے مراد یہ ہے کہ انجم کا الف جیسے سر کی طرح شاعر نے رو کہا ہے وہ چھپ گیا یعنی الف کا ایک عدد کم ہوگیا تو مصرع تاریخ مل گیا۔

جس طرح کسی نے " طوطی روح" اڑا کہہ کے تاریخ وفات میں تعمیہ، تخرجہ کیا اسی طرح میں نے بھی ایک تاریخ میں تعمیہ، تخرجہ کی یہ صورت نکالی کہ ایک نوجوان شہنشاہ حسین نام جو دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوگیا، اس کی تاریخ شہادت کے لیے میں نے نام اور واقعہ کی مناسبت سے یہ مصرع کہا:

" شہنشاہ تاج شہادت مبارک"

مگر اس میں ۴۶ عدد بڑھ رہے تھے۔ میں نے مضمون کی مناسبت سے یوں تخرجہ کیا:

" ہما" اڑ گیا پڑھ کے مصرع یہ ساحر
" شہنشاہ تاج شہادت مبارک"

اس طرح " ھما" کے ۴۶ عدد کا تخرجہ ہوگیا۔ ہما کی مناسبت مصرع تاریخ سے یہ ہے کہ یہ ایک ایسا داستانی یا تخیلاتی پرندہ ہے جو کسی کے سر پر بیٹھ جائے یا اس کا سایہ کسی پر پڑجائے تو اس شخص کو بادشاہت مل جاتی ہے۔

اسی طرح میرے ایک عزیز نوجوان سید فراز حسین کو دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔ میں نے ان کے نام اور شہادت کی مناسبت سے تاریخ کا مصرع کہا:

" فراز تاج شہادت سے سرفراز ہوئے"

اتفاق سے اس میں بھی ۴۶ عدد زیادہ ہو رہے تھے تو یہاں بھی میں نے تاج شہادت کی مناسبت سے ہما کے لفظ سے تخرجہ کیا اور یوں کہا:

" ہما" نے شاخ سے تاریخ کی یہ اڑ کے کہا
" فراز تاج شہادت سے سرفراز ہوئے"

حکیم مومن خاں مومن نے کسی کی تاریخ وفات میں ۶۶ عدد کا تخرجہ " جنازہ اٹھایا" کہہ کر یوں کیا:

۲۲۔ سہ ماہی رثائی ادب (نصف صدی نمبر)

۲۳۔ ماہ نو ۔ انیس نمبر

۲۴۔ صابر براری کی تخلیقات

۲۵۔ افکار آصفیہ ۔ صفدر حسین آصف الجعفری

۲۶۔ دہلوی مرثیہ گو (ج ۱) ۔ سید علی جواد زیدی

۲۷۔ دہلوی مرثیہ گو (ج ۲) ۔ سید علی جواد زیدی

۲۸۔ ماہ نامہ طلوع افکار، کراچی ۔ شمارہ ستمبر ۱۹۹۷ء

۲۹۔ روزنامہ جنگ، کراچی ۔ مورخہ ۴ جنوری ۱۹۹۸ء

۳۰۔ روزنامہ جنگ، کراچی ۔ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء

۳۱۔ روزنامہ جنگ، کراچی ۔ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۴ء

اپنے بچوں کے لیے الکیرا ذاتی کاپی بنا کر

سید نذر عباس

4 ستمبر 2013

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحقیقی ماخذ

۱۔ معیار الاشعار ۔ محقق طوسیؒ

۲۔ افادۂ تاریخ ۔ حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی

۳۔ گلبن تاریخ ۔ حکیم میر مہدی حسین الم

۴۔ قلمی مجموعۂ تاریخ ۔ عالک سہارن پوری

۵۔ نور اللغات ۔

۶۔ غیاث اللغات ۔

۷۔ شجراۃ الطیبات ۔ سید ظہور الحسن فروغ سیتاپوری

۸۔ فن تاریخ گوئی ۔ کسریٰ منہاس

۹۔ فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت ۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۱۰۔ معادن تواریخ ۔ شوکت الہ آبادی

۱۱۔ تاریخ لکھنؤ ۔ از مولانا سید محمد باقر شمس مدظلہ

۱۲۔ تاریخ لکھنؤ ۔ از زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب

۱۳۔ مجلہ بیاد حضرت نسیم امروہوی مرحوم

۱۴۔ دیوان فاخر ۔ نواب مولوی سید اصغر حسین صاحب فاخر لکھنوی

۱۵۔ تاریخ رفتگاں ۔ صابر براری

۱۶۔ مجمع التواریخ ۔ حضرت فضل نقوی لکھنوی

۱۷۔ ملک التاریخ ۔ سید سجاد حسین ترمذی تائب

۱۸۔ درج تاریخ ۔ جناب نیساں اکبر آبادی

۱۹۔ شاعری کی چوتھی کتاب ۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

۲۰۔ احسن تقویم ۔

۲۱۔ مخطوطہ: مولانا سید ہدایت حسین صاحب در حالات خاندان اجتہاد

" جنازہ" اٹھایا فرشتوں نے آ

تو قد فاز فوزاً عظیما کہا

اس طرح "ہوش" اڑ گئے کہہ کے ۱۳۱۱ کا تخرجہ کیا گیا ہے۔

تاریخ وفات میں کسی نے "میت اٹھائی" کہہ کے ۴۵۰ عدد کا تخرجہ کیا۔

بہادر شاہ ظفر نے اپنے استاد ذوق کی تاریخ وفات میں ایک عدد کا تعمیہ، تخرجہ

اس طرح کیا:

ظفر روئے اردو ز ناخن بہ غم

خراشید و فرمود " استاد ذوق"

مندرجۂ بالا سارے تخرجوں سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ تعمیہ، تخرجہ کے لیے کوئی معین اصول نہیں ہے۔ یہ صرف تاریخ گو کی قوتِ فکر، تخیل کی بلندی اور مضموں آفرینی کی صلاحیت اور ذوق پر منحصر ہے کہ وہ تخرجہ کس طرح کرتا ہے، اس میں کیسے شعریت اور حسن و خوبی پیدا کرتا ہے اور کس طرح نئے نئے گوشے نکالتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ کی تعمیہ کے ساتھ کہی ہوئی زیادہ سے زیادہ تاریخوں کا مطالعہ کیا جائے۔ اس سے ذہن روشن ہوگا، فکر کو جلا ہوگی اور تعمیہ کے لیے اچھے اچھے گوشے ہاتھ آئیں گے۔

مجھے امید ہے کہ اس مضمون سے تاریخ گو شعرا خصوصاً مبتدی حضرات کو تعمیہ، تدخلہ اور تعمیہ، تخرجہ کی صنعت کو اچھی طرح سمجھنے اور برتنے میں انشاء اللہ بہت مدد ملے گی۔

یہاں انجم روپوش ہونے سے مراد یہ ہے کہ انجم کا الف جیسے سر کی طرح شاعر نے رو کہا ہے وہ چھپ گیا یعنی الف کا ایک عدد کم ہوگیا تو مصرع تاریخ مل گیا۔

جس طرح کسی نے " طوطی روح" اڑا کہہ کے تاریخ وفات میں تعمیہ، تخرجہ کیا اسی طرح میں نے بھی ایک تاریخ میں تعمیہ، تخرجہ کی یہ صورت نکالی کہ ایک نوجوان شہنشاہ حسین نام جو دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوگیا، اس کی تاریخ شہادت کے لیے میں نے نام اور واقعہ کی مناسبت سے یہ مصرع کہا:

" شہنشاہ تاج شہادت مبارک"

مگر اس میں ۴۶ عدد بڑھ رہے تھے۔ میں نے مضمون کی مناسبت سے یوں تخرجہ کیا:

" ہما" اڑ گیا پڑھ کے مصرع یہ ساحر
" شہنشاہ تاج شہادت مبارک"

اس طرح " ھما" کے ۴۶ عدد کا تخرجہ ہوگیا۔ ہما کی مناسبت مصرع تاریخ سے یہ ہے کہ یہ ایک ایسا داستانی یا تخیلاتی پرندہ ہے جو کسی کے سر پر بیٹھ جائے یا اس کا سایہ کسی پر پڑ جائے تو اس شخص کو بادشاہت مل جاتی ہے۔

اسی طرح میرے ایک عزیز نوجوان سید فراز حسین کو دہشت گردوں نے شہید کر دیا۔ میں نے ان کے نام اور شہادت کی مناسبت سے تاریخ کا مصرع کہا:

" فراز تاج شہادت سے سرفراز ہوئے"

اتفاق سے اس میں بھی ۴۶ عدد زیادہ ہو رہے تھے تو یہاں بھی میں نے تاج شہادت کی مناسبت سے ہما کے لفظ سے تخرجہ کیا اور یوں کہا:

" ہما" نے شاخ سے تاریخ کی یہ اڑ کے کہا
" فراز تاج شہادت سے سرفراز ہوئے"

حکیم مومن خاں مومن نے کسی کی تاریخ وفات میں ۶۶ عدد کا تخرجہ " جنازہ اٹھایا" کہہ کر یوں کیا: